اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (القرآن)
تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو
خير الذكر الخفي (الحدیث)

حکم الذکر بالجہر

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

ناشر
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (قرآن کریم)

تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو،

خیر الذکر الخفی (حدیث شریف)

حکم الذکر بالجہر

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، کتب تفسیر و فقہ اور مستند حضرات صوفیاء کرام کے ٹھوس حوالوں سے یہ امر ثابت کیا گیا ہے کہ جن مواقع میں بلند آواز سے ذکر اور دعا ثابت ہے وہاں بلند آواز ہی سے ذکر اور دعا کرنے سے شریعت کی منشا پوری ہوگی اور جہاں آواز بلند سے شرعًا دعا اور ذکر ثابت نہیں وہاں آہستہ دعا اور ذکر ہی بہتر اور افضل ہے بلکہ بعض صریح عبادات کے پیش نظر ایسے مواقع میں خصوصًا جب کہ لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو ذکر بالجہر حرام، بدعت اور مکروہ ہے اور حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کا عمل بھی عمومی طور پر ذکر بالسر ہی کا رہا ہے اور یہی مسلک حضرات ائمہ اربعہؒ کا ہے۔ مساجد میں بلند آواز سے ذکر اور بلند آواز سے درود شریف کا حکم بھی اس میں واضح حوالوں سے بیان کر دیا گیا ہے اور دیگر کئی مسائل ضمنًا اس میں آگئے ہیں اور مجوزین ذکر بالجہر کے دلائل کا خالص علمی اور تحقیقی طور پر مسکت جواب بھی دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مختلف پہلو باحوالہ اس کتاب میں آگئے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۔

ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ
وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۴ رجب ۱۳۹۴ھ
۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء

نام کتاب .... حکم الذکر بالجہر

تالیف .... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد .... ایک ہزار

طبع ششم .... اگست ۲۰۱۰ء

قیمت .... ۱۱۰/- (ایک سو دس روپے)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی

☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ کتب خانہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان

☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ مکتبہ عثمانیہ میاں والی روڈ تلہ گنگ

☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت

☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور

☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال

☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد

☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی

☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ ظفر اسلامی کتب خانہ گکھڑ

☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

☆ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

☆ کتب خانہ صفدریہ، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ فَاَقُوْلُ بِلِسَانِیْ وَاَکْتُبُ بِقَلَمِیْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۝

وجہ تالیف:۔

(۱) راقم نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے آج سے کئی سال پہلے ردِ بدعت کے سلسلہ میں ایک کتاب راہِ سنت لکھی تھی جس پر پاک و ہند کے بعض مستند اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے بزرگوں کی گراں قدر تصدیقات بھی طبع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کتاب کو تھوڑے ہی عرصہ میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور عوام سے لے کر جید علماء تک نے اس کے طرزِ تحریر اور ٹھوس دلائل اور واضح براہین کو خوب سراہا اور قلیل مدت میں اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے حتیٰ کہ ادارۂ نصرۃ العلوم (جس نے یہ کتاب طبع کروائی ہے) کی اجازت کے بغیر ہی اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کے پیش نظر یہ کتاب ہندوستان وغیرہ میں طبع ہو کر فروخت ہوتی رہی اور سندھی، بنگالی اور پشتو وغیرہ زبانوں میں اس کے تراجم کی اجازت بھی بعض حضرات نے طلب کی لیکن اس خطرہ کے پیش نظر ادارہ نے اجازت نہ دی کہ کہیں غیر ذمہ دار مترجمین حضرات ترجمہ میں اصل کتاب کا مقصد ہی غلطی سے نہ بدل ڈالیں اور کتاب کا صحیح مقصد ہی نہ فوت ہو جائے۔ راقم اثیم کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی دیگر ممالک میں طلب کی گئی اور اہلِ حق نے اس سے ایمانی تسکین حاصل کی اور بہت سے حضرات نے یہ کتاب پڑھ کر بدعات سے صدقِ دل سے توبہ کی اور راقم کو مبارک باد کے خطوط لکھے اور درازیٔ عمر اور حسنِ خاتمہ کی دعائیں کیں اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

(۲) جہاں اس کتاب کی وجہ سے اہلِ حق کو بہت فائدہ پہنچا اور صحیح مسلک کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی وہاں اہل بدعت کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی اور ان کے بارونق چہرے غمگین اور اُداس ہو گئے اور قدرتی طور پر ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا چنانچہ اس کتاب کی تردید میں ان کے مفتی اعظم احمد یار خاں صاحب

بدایونی ثم گجراتی (المتوفی ۲۰ رمضان ۱۳۹۱ھ) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے راہِ جنت رکھا جس کا ترکی بترکی جواب راقم نے بابِ جنت سے دیا اور اس کے بعد مفتی صاحب بالکل چپ ساد ھ لی اور دل میں کڑھتے ہی کڑھتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۳) راہِ سنت میں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر بالجہر کے بارے میں بھی باحوالہ اصولی بحث کی گئی ہے۔ اور حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا محقق قول اس میں باحوالہ درج ہے کہ جہاں شرعاً بلند آواز سے ذکر ثابت نہیں وہاں ذکر بالجہر مکروہ اور بدعت ہے خصوصاً جب کہ نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں اور اسی طرح کے دیگر مشاغل میں مصروف حضرات کے امن و سکون میں خلل واقع ہوتا ہو اور اس سے ان کے ذہن پریشان ہوتے ہوں ایسے حالات میں سب کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مگر اتنی صاف اور واضح باحوالہ بات بھی اہل بدعت کو کانٹے کی طرح کھٹکی اور راقم کے رد اور ذکر بالجہر کے جواز میں ان کی جماعت کے ایک صاحب نے ذکر بالجہر کے نام سے ایک رسالہ لکھ مارا ان صاحب کو ان کی جماعت نے رئیس المحققین، محقق باکمال اور مدقق بے مثال کا خسروانہ خطاب بھی دیا ہے اس رسالہ کو پڑھ کر یہ محسوس ہوا کہ مؤلف مذکور کو اصل مسئلہ کی نوعیت اور اس کی تفصیل اور حضرات فقہاء کرامؒ حتی کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صحیح مسلک سے بالکل بے خبری ہے اور وہ بیچارے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قرآن کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی سے سراسر ناواقف ہیں انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کو حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا مسلک سمجھ رکھا ہے اور اس کو وہ قرآن کریم۔ حدیث شریف فقہ اور شروح حدیث سے بزور ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ مزید براں انہوں نے بعض حضرات صوفیاء کرامؒ کی عبارتوں سے بھی اس کو حل کرنے کی ناتمام سعی کی ہے۔ اور عبارات میں بھی بے انتہا قطع و برید کی ہے اور کم فہمی کا ثبوت کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور الٹا چور کو توال کو ڈانٹے کے محاورہ کے مطابق جگہ جگہ انہوں نے بلاوجہ راقم اثیم کو خائن ثابت کرنے کی غیر سود مند کاوش کی ہے اس رسالہ میں انہوں نے اپنے ناخواندہ اور بدعت پسند حواریوں کو یہ باور کرانے کی بے جا کوشش کی ہے کہ سرفراز وہابی ہے اور مسلک احناف کے بالکل خلاف ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس پیش نظر کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے والے حضرات انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی خود اندازہ لگائیں گے کہ سرفراز کا مسلک کیا ہے؟ اور اس کی بنیاد کن ٹھوس دلائل پر قائم ہے؟ اور وہ کن کن بزرگوں کے دامن سے وابستہ ہے؟ اور سرفراز کے اس مسلک پر طعن کرنے والا کس پر طعن کر رہا ہے؟ سچ ہے ع

جو تھوکے چاند پر کوئی اُسی کے منہ پہ پڑتا ہے

(۴) ٹھوس علمی اور تحقیقی مواد سے یکسر خالی ہونے کی وجہ سے مؤلف مذکور کے رسالہ کی تردید کی مطلقاً ضرورت نہ تھی لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ اکثر عوام الناس بڑے سطحی اور دین کی صحیح سمجھ سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں کہیں وہ اس محقق باکمال اور مدقق بے مثال کے رسالہ سے دھوکہ کھا کر نقل کو اصل اور بدعت اور فعل مکروہ کو کار ثواب ہی نہ سمجھ لیں اور قرآن وحدیث کے منشا کے خلاف اور فقہ حنفی کی صریح مخالفت ہی پر کمربستہ نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں وہ اس ذکر بالجہر کی وجہ سے کہیں لوگوں کے امن وسکون اور چین کو مزید برباد نہ کر دیں۔ کیونکہ آجکل اکثر مساجد میں لاؤڈ سپیکر موجود ہیں اور جب بھی کسی کا جی چاہتا ہے گلا سنوار کر جو چاہتا ہے پڑھتا رہتا ہے اور لوگوں کی نماز تلاوت حتیٰ کہ لوگوں کی نیند اور آرام میں خلل ڈالتا رہتا ہے نہ رات دیکھتا ہے اور نہ دن نہ بیماروں کا خیال ہوتا ہے اور نہ کسی کے سکون کا بس اپنی سُر تال ہی کی فکر رہتی ہے اور آئے دن اخبارات میں دفتری لوگوں طالب علموں بیماروں اور اہل محلہ کی فریاد چھپتی رہتی ہے کہ ہمیں اس بے آرامی سے نجات دلائی جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی حالانکہ ملک میں لاؤڈ سپیکر کا مستقل آرڈی ننس موجود ہے مگر حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور ان کو پبلک کی کوئی آواز اور فریاد سنائی نہیں دیتی گویا وہ کچھ سنتے ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی جو قیامت کی بعض نشانیوں سے متعلق ہے بالکل پورا ہو گیا۔

واذا رأیت الحفاۃ العراۃ الصم البکم ملوک الارض الحدیث (مشکوٰۃ ج ۲ ص۱۱ وقال متفق علیہ) | کہ جب تم ننگے پاؤں ننگے بدن والوں حق سننے سے بہروں حق بولنے سے گونگوں کو زمین پر برسر اقتدار دیکھو (تو جان لو قیامت آگئی)

یعنی وہ لوگ جو کسی وقت غربت کی وجہ سے ننگے پاؤں چلتے اور ننگے بدن رہتے تھے عوامی دور میں جب برسر اقتدار آجائیں گے تو حق سننے سے بالکل بہرے اور حق بولنے سے بالکل گونگے ہو جائیں گے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ وہ لوگ حق سننے اور قبول کرنے سے بہرے اور سچ بولنے سے گونگے ہوں گے ویسے ان کے کان اور ان کی زبانیں بالکل صحیح ہوں گی (محصلہ مرقات ج ۱ ص۶۵ طبع ملتان)

(۵) یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا محض عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت کا ست نچوڑ اور خلاصہ (مُخ العبادۃ) ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث میں اس قدر

وافر ذخیرہ موجود ہے جو شمار کرنے میں نہیں آسکتا۔ ہمارے اکابر نے فضائل ذکر پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ بقدر ہمت و وسعت ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف و مشغول رہتے ہیں اور اس کو اپنی اخروی نجات اور نیز دنیوی فلاح کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور حتی الوسع اس پر پابندی اور مداومت سے کاربند ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کو ہم اور ہمارے جملہ اکابر افضل ترین عبادت میں شمار کرتے ہیں اور بقدر توفیق پڑھتے رہتے ہیں اور اس طریقہ سے ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا گہرا لگاؤ قائم رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عند القبر آپ بنفس نفیس خود صلوٰۃ وسلام سنتے اور جواب دیتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے لیکن ذکر اور درود شریف پڑھنے کا ہم وہی طریقہ اپناتے ہیں جو قرآن کریم، حدیث شریف کے مطابق اور فقہ حنفی کے عین موافق ہے جس کی بقدر ضرورت تفصیل اس پیش نظر کتاب میں باحوالہ درج ہے اور منصف مزاج آدمی کیلئے یہ بالکل کافی ہے۔

(۶) حضرات صوفیاء کرامؒ کے بعض سلاسل (مثلاً قادریہ اور اویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کے لئے ذکر بالجہر کا طریقہ رائج ہے اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ جہر مفرط نہ ہو صرف تعلیم کی حد تک ہو کسی نمازی، تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت اور تشویش نہ ہو اگر یہ شرطیں کلاً یا بعضاً مفقود ہوں۔ تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے اور اس زیر نظر کتاب میں باحوالہ اس کی بحث آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ لہذا غلط مبحث علماء اور رہجویان حق کی شان کے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

(۷) مؤلف مذکور نے راقم کی کتاب تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین کے رد میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے توضیح البیان علیٰ خزائن العرفان رکھا ہے اس میں بھی انہوں نے وہی طریق اختیار کیا ہے۔ جو ذکر بالجہر میں اختیار کیا ہے فضول بھرتی اس میں بھی کافی ہے اور مغالطہ دینے کے لئے حجم اس کا خاصا نظر آتا ہے مگر علم و تحقیق اور کام کی باتیں اسمیں بہت کم ہیں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں ان کے پیش کردہ دلائل کا تانا بانا تو آپ اس زیر نظر کتاب میں دیکھ لیں اور توضیح البیان کی مغالطہ آفرینی کا حشر انشاء اللہ تعالیٰ تنقید متین طبع سوم میں ملاحظہ کر لینا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم اور توحید و سنت کی شاہراہ پر چلنے کی توفیق اور شرک و بدعت اور منکرات کے غلط راستہ پر چلنے سے اجتناب و گریز کی ہمت مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعہ الیٰ یوم الدین۔

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ —— ۲۶ جولائی ۱۹۷۴ء

باب اوّل

قرآن کریم سے آہستہ ذکر کا ثبوت

ہر مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم سے صریح ثبوت ملتا ہو وہ مسئلہ نہایت ہی قوی اور بہت ہی مدلل ہوتا ہے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے اس کا ثبوت عرض کر دیں تاکہ کسی کو علمی اور تحقیقی طور پر کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

پہلی آیت کریمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (پ۸ اعراف، ۷)

تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے بیشک وہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

اس آیت کریمہ میں دو امر صراحت سے بیان ہوئے ہیں ایک تَضَرُّعًا اور دوسرا خُفْيَةً اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ عاجزی، زاری اور انکساری کے ساتھ دعا ہو اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجاوز کی مد میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو عادتاً یا شرعاً محال ہوں جن کو کوئی مانگے یا معاصی اور لغو چیزیں طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی حیثیت اور شان کے مناسب ہی نہ ہو اور ایسے مقام پر جہاں شرعاً ثابت نہیں بلند آواز سے ذکر اور دعا کرے، یہ سب امور اعتداء فی الدعاء میں داخل ہیں، باقی امور تو واضح ہیں ان میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے؟ اگر کچھ شک و شبہ اور اختلاف ہو سکتا ہے تو بلند آواز سے دعا اور ذکر بالجہر میں ہو سکتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند ضروری حوالے ہم یہاں عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب اور معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔

(الف) حضرت عبداللہ بن مسعود (المتوفی ۳۲ھ) اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر کی ممانعت سمجھتے تھے چنانچہ بریلوی حضرات کے مشہور محقق عالم مولوی عبدالسمیع صاحب حضرت ابن مسعود سے اس سلسلہ کی مروی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دوسری روایت اس طرح پر ہے کہ وہ لوگ ذکر اللہ جہراً کرتے تھے اس لئے ان کو حضرت عبداللہ رض بن مسعود نے مسجد سے (جیسا کہ آگے آرہا ہے انشاء اللہ العزیز، صفدر) نکال دیا سو اس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ذکر جہر کو مخالف شرع سمجھتے تھے جیسا کہ کتب فقہ سے روایت آتی ہے اور مانعین جہر قرآن کی آیت سند گذارتے ہیں اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً اور حدیث کتاب الجہاد بخاری (ج ۱ ص ۴۲۰) کی جو ابو موسیٰ اشعری رض سے روایت ہے پیش کرتے ہیں کہ وہاں بلند آواز سے لا اِلٰہ اِلَّا اللہ اللہ اکبر کہتے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَّلَا غَائِبًا اِنَّہٗ مَعَکُمْ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ یعنی نرمی کرو اپنی جانوں پر تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکارتے وہ تمہارے سامنے ہے وہ سنتا ہے پاس ہے، اس سے بعض صحابہ رض سمجھ گئے کہ ذکر جہر منع ہے اسی بنا پر حضرت عبداللہ رض بن مسعود نے ان لوگوں کو منع فرمایا اھ (انوار ساطعہ ص ۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے اس آیت اور اس حدیث شریف سے ذکر بالجہر کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھ کر اس سے منع فرمایا ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر قرآن کریم کی تفسیر کو زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا، چنانچہ حضرت عقبہ رض بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مَا اَنْزَلَ اللہُ کا ابن مسعود سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا حضرت ابو موسیٰ الاشعری رض فرماتے ہیں کیوں نہ ہو وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے اور آپ ان سے کسی وقت حجاب نہیں کرتے تھے (مسلم ج ۲ ص ۲۹۳) خود حضرت عبداللہ بن مسعود علیٰ رؤس الاشہاد فرمایا کرتے تھے اس پروردگار کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کا شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی ہے اور میں اپنے سے بڑا کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں جانتا (بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ ومسلم ج ۲ ص ۲۹۳) حضرت امام نووی لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کتاب اللہ کے حضرات خلفاء راشدین سے بھی بڑے عالم تھے (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳) یہ یاد رہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ کا مدار ہی حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم و فقہ پر ہے اور تفسیر و فقہ میں ان کا مقام بہت ہی بلند اور ارفع تھا۔

(ب) فقیہ الامت سراج الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نعمانؒ بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ الشیخ ابراہیم الحلبی الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابو حنیفة لیس کلام منافی مطلق الذکر فانه امر مرغوب فیه فی کل الاحیان بل فی الجهر به وهو بدعة لقوله تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِلّا ما استثناه الشرع فاذا تعارضت الادلة فی مقدار المستثنیٰ نأخذ بالاقل والعمل فیما وراءه بالاصل هو الاحتیاط اذ فیه الجمع بین الادلة وبهذا ظهر انه لا وجه لمن جعل الفتویٰ علی قولهما اھ (غنیة المستملی ص۵۳۱ وص۳۲۶ طبع رحیمیہ دیوبند)	امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو مطلق ذکر میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو تمام اوقات میں ایک پسندیدہ امر ہے بلکہ ہماری گفتگو جہر کے بارے ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور چپکے چپکے مگر وہاں جہاں شرع نے مستثنیٰ کیا ہے پس جب مستثنیٰ کی مقدار میں دلائل متعارض ہیں تو اقل لیا جائے گا اور اس کے علاوہ اصل پر عمل کیا جائے گا احتیاط بھی یہی ہے اور اسی سے دلائل بھی آپس میں جمع ہوتے ہیں اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے حضرات صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اس کی کوئی (معقول) وجہ نہیں ہے۔

تکبیر تشریق کی بحث اور حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف نیز کبیری کی ایک اور مفصل عبارت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز اس مقام پر جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الآیۃ سے ذکر بالجہر کی ممانعت ہی سمجھی ہے اور وہ اس کو بدعت فرماتے ہیں کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں صرف اس مقام میں جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے وہاں جہر ہوگا ورنہ عمل اصل پر ہوگا حضرت امام صاحبؒ کے اس ضابطہ کو فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ اجماعتہم نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ امام محمدؒ بن احمد سرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۳۸ھ) حج وعمرہ کے موقع پر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

والمستحب عندنا فی الاذکار والدعاء	ہمارے نزدیک اذکار اور دعا میں مستحب یہ ہے

الخفية إلّا فيما تعلق باعلانه مقصود كالاذان للاعلام والخطبة للوعظ و تكبيرات الصلوٰت لاعلام التحرم والانتقال والقرأة لاسماع المؤتم فالتلبية للشروع فيما هو من اعلام الدين فلهذا كان المستحب رفع الصوت به. (مبسوط ج۴ ص۶ طبع مصر)	کہ آہستہ ہوں مگر جس چیز کا اظہار و اعلان مقصود ہو جیسے اذان اعلان کے لئے اور خطبہ وعظ کے لئے اور نماز کی تکبیریں تحریمہ صلوٰۃ اور انتقال ارکان بتانے کے لئے اور قراءۃ مقتدی کے سنانے کے لئے پس تلبیہ اس چیز کے شروع کے لئے ہے جس کا دین میں اظہار مقصود ہے پس تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء احناف کا یہ ضابطہ ہے کہ جہاں اذکار میں مقصود اعلان و اظہار ہے مثلاً اذان و تلبیہ اور خطبہ وغیرہ تو ایسے مواقع میں بلند آواز سے پڑھنا مقصود ہے ورنہ ذکر اور دعائیں احناف کے ہاں مستحب طریقہ ہی یہ ہے کہ آہستہ ہو اور جہر نہ کیا جائے، امام اکمل الدین محمدؒ بن محمود البابرتی الحنفیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) لکھتے ہیں۔

المستحب عندنا فی الدعاء والاذکار الاخفاء الّا اذا تعلق باعلانه مقصود کالاذان والخطبة وغیرهما والتلبية للاعلام بالشروع فیما هو من اعلام الدین فکان رفع الصوت بها مستحب (العنایة ج۲ ص۱۳۶ برهامش فتح القدیر طبع مصر)	ہمارے نزدیک دعا اور اذکار میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہوں مگر وہاں جس کا اظہار مقصود ہو جیسے اذان اور خطبہ وغیرہ اور تلبیہ اس چیز کے شروع کرنے کی علامت ہے جس کا اظہار دین کی نشانیوں سے ہے سو اس میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔

یہ حوالہ بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔

حافظ ابن الہمام محمدؒ بن عبدالواحد الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والاصل فی الاذکار الاخفاء والجهر بها بدعة (فتح القدیر ج۱ ص۴۳ طبع مصر) اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے اور علامہ علاؤ الدین ابوبکرؒ بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ (۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولان الاصل فی الاذکار هو الاخفاء الّا	اصل اذکار میں اخفاء ہے مگر اس جگہ جہاں شریعت

فیما ورد التخصیص فیہ اھ (البدائع والصنائع جلد ۱ ص ۲۷۹ طبع مصر) — میں جہر کی تخصیص وارد ہو۔

اور حضرت مولانا عبد الحی اللکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے تکبیر عید الفطر کے بارے لکھتے ہیں کہ:۔

ولہ ان الاصل فی الذکر الاخفاء کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ الآیۃ وقد ورد الشرع بالجہر فی عید الاضحٰی فیقتصر ذٰلک علیٰ مورد ہ انتہی (عمدۃ الرعایۃ ج ۱ ص ۲۴۶)	امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذکر میں اخفار ہے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اور ذکر کر اپنے رب کو اپنے دل میں دلالت کرتا ہے اور شریعت میں جہر عید الاضحٰی کے موقع پر وارد ہوا ہے اس لئے جہر اپنے مورد پر ہی بند رہیگا۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ذکر کے لئے اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو اور اس پر وہ قرآن کریم کی نص قطعی سے دلالت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں خود شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے اور لفظ اُدْعُوْا سے امام صاحبؒ اس کا اہم فرد ذکر مراد لے رہے ہیں جس طرح کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اس سے ذکر مراد لی ہے جن کم فہموں نے اُدْعُوْا کے لفظ سے صرف دعا سمجھی ہے اور اس سے ذکر مراد لینے والوں کو کوسا ہی نہیں بلکہ معاذ اللہ تعالیٰ محرف قرآن شریف گرداننے کی ناتمام سعی کی ہے کیا وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی محرف قرآن سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور کیا وہ دیگر مفسرین کرامؒ کو بھی یہی خطاب دیں گے؟ مثلاً حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ یعنی اذکروہ واعبدوہ واسئلوا منہ حوائجکم (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۰۷)	اُدْعُوْا رَبَّکُمْ کا معنی یہ ہے کہ تم اس کا ذکر کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔

(ح) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ اس آیت کریمہ کی طویل تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثم اجمع العلماء علیٰ ان الذکر سرًّا ھو الافضل والجہر بالذکر بدعۃ	پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں

الا فی مواضع مخصوصة مست الحاجة فیها الی الجهر به کالاذان والاقامة وتکبیرات التشریق و تکبیرات الانتقال فی الصلوٰة للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب نائبة والتلبیة فی الحج ونحو ذٰلك

(تفسیر مظہری ج ۳ ص۴۰۴)

ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جن میں خصوصیت سے جہر کی حاجت پیش آئے مثلاً اذان اور اقامت اور تکبیراتِ تشریق اور امام کے لئے نماز میں انتقال کے لئے تکبیریں اور جب کوئی ضرورت پیش آئے تو مقتدی کا تسبیح کہنا اور حج میں تلبیہ اور اسی کی مانند اور مواقع۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ ہونا چاہیئے۔ اور یہی افضل ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے، ہاں جن جن مقامات میں شریعت سے ذکر بالجہر ثابت ہے مثلاً اذان وغیرہ تو وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں اور جو امور شرعاً مستثنیٰ نہیں وہ سب اس قاعدہ کی زد میں ہیں، اس عبارت میں اجمع العلماء کے الفاظ بصراحت موجود ہیں لیکن یہ تصریح اور تعیین نہیں کہ علماء سے کون بزرگ اور کس دور اور کس زمانہ کے حضرات مراد ہیں؟ لیکن حضرت قاضی صاحبؒ نے اس کی بھی تصریح فرما دی ہے اور معاملہ کو مبہم نہیں چھوڑا وہ فرماتے ہیں۔

والاصل فی الاذکار الاخفاء والجهر بها بدعة فاذا وقع التعارض فی الجهر یرجح الاقل ویدل علی کون ذکر السر افضل ومجمعا علیه من الصحابةؓ و من تبعهم قول الحسنؒ ان بین دعوة السر ودعوة العلانیة سبعون ضعفا ولقد کان المسلمون یجتهدون فی الدعاء وما یسمع لهم صوت ان کان الا همسا بینهم وبین ربهم وذٰلك ان الله سبحانه وتعالیٰ یقول ادعوا ربکم

اور اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے پس جب جہر کے سلسلہ میں تعارض واقع ہو تو اقل کو ترجیح دی جائے گی اور اس پر کہ آہستہ ذکر افضل ہے اور اس پر کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا اس پر اجماع ہے دلیل حضرت حسن بصریؒ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک آہستہ دعائیں اور بلند آواز سے دعائیں ستّر گنا فرق ہے اور بلاشبہ مسلمان دعا میں کوشش کرتے تھے اور حال یہ تھا کہ ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی ان کی دعاء ان کے اور ان کے رب کے درمیان نہایت آہستہ

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وان الله تعالیٰ ذکر
عبدًا صالحًا رضی فعله فقال
اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا وایضًا
یدل علی افضل الذکر الخفی حدیث
سعدؓ بن ابی وقاص قال قال رسول
الله صلی الله علیه وآله وسلم خیر
الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی
رواه احمدؒ وابن حبانؒ والبیهقیؒ فی
شعب الایمان (تفسیر مظهری ج ۳ ص ۴۰۸ و
ص ۴۰۹)

ہوتی تھی اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے
چپکے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک نیک
بندے (حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام)
کا ذکر فرمایا جس کے فعل پر وہ راضی ہے کہ جب اس
نے اپنے رب کو پکارا تو آہستہ پکارا اور نیز ذکر
خفی کے افضل ہونے پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
کی روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین
ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کر سکے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس اجماع سے حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ کا اجماع مراد ہے اور حضرت حسن بصریؒ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ مسلمان نہایت کوشش اور دلجمعی کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ان کی عاجزی وزاری اور مناجات جو کچھ بھی ہوتی تھی وہ صرف اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتی تھی اور اس کی صفت عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ہے کہ وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور آہستہ اور آہستہ تر بات کو بھی جانتا ہے تو اس کے سامنے چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آہستہ ذکر کے افضل ہونے پر اس عبارت میں علاوہ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الآیۃ کے دو آیتیں اور ایک حدیث اس مضمون کی مزید تاکید اور تائید میں نقل کی گئی ہیں اس حدیث کی کچھ مزید وضاحت آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز۔ اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:۔

فصل اعلم الذکر علیٰ ثلاث مراتب
احدها الجهر ورفع الصوت بها وذالك
مکروه اجماعًا الّا اذا دعت الیه
داعیة واقتضته حکمة فحینئذٍ قد
یکون افضل من الاخفاء کالاذان

فصل، تو جان لے کہ ذکر کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ
ذکر بالجہر کا ہے اور یہ بالاجماع مکروہ ہے مگر
وہاں جہاں جہر کی ضرورت پیش آئے اور حکمت بھی
اس کا تقاضا کرے پس اس وقت جہر اخفاء سے
بلاشبہ افضل ہے مثلاً اذان اور تلبیہ وغیرہ۔

والتلبية ونحو ذلك اھ (مظہری ج۹ ص۴۰۹)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم اور مطلب کے لحاظ سے بالکل ظاہر ہے مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرا مرتبہ الذکر باللسان یعنی زبان کے ساتھ ذکر کا بیان کیا ہے آگے فرماتے ہیں:۔

وثالثها الذکر بالقلب والروح والنفس وغیرها الذی لا مدخل فیہ للسان وھو الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ اخرج ابو یعلیٰ عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم افضل الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفًا اذا کان یوم القیٰمۃ اھ (مظہری ج۹ ص۴۱۰)

اور تیسرا درجہ دل، روح اور نفس وغیرہ کے ساتھ ذکر کرنا ہے کہ زبان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور وہ ذکر خفی ہے جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سنتے چنانچہ محدث ابو یعلیٰؒ نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ آہستہ ذکر جس کو کراماً کاتبین بھی نہیں سنتے قیامت کے دن ستّر گنا بڑھا ہوا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل اور نفس میں جو ذکر ہوتا ہے جس میں زبان کو حرکت نہیں دی جاتی وہ بھی بتحقیق حضرت قاضی صاحبؒ وغیرہ ذکر ہے اور اس کو کراماً کاتبین بھی نہیں سنتے اس ذکر کا تعلق صرف اس ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو علیم وخبیر اور علیم بذات الصدور ہے اور اس سے دل کے وساوس اور خطرات بھی مخفی نہیں، حضرات صوفیاء کرامؒ کے ہاں دل کی صفائی کے لئے یہ ذکر معمول بہ ہے چنانچہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (المتوفی فی حدود ۷۵۰ھ) حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ذکر خفی میں دم بند کرکے ذکر کرے جب تنگ ہو آہستہ سے ناک کی راہ سے سانس لے پھر منہ بند ہی رکھے ایسے اشغال سے دل صاف ہو جاتا ہے اھ (مفتاح العاشقین ص۸)

بعض کوتاہ فہم لوگوں نے ذکر بالجہر کی آہستہ ذکر پر فضیلت کے سلسلہ میں تیئس ۲۳ وجوہ پیش کی ہیں جن میں سے بعض تو علماء کرام سے ماخوذ ہیں اور بعض کے بارے میں ان کا یہ ادّعا ہے کہ القائی ہیں جو ان کے دل پر القاء ہوئی ہیں اور ان کی عُمر کی تیئس ۲۳ بہاریں ختم ہو گئی ہے لیکن اس کے برعکس حضرت حسن بصریؒ (جو الامام شیخ الاسلام ثقہ حجت اور مامون تھے المتوفی ۱۱۰ھ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۶۶) فرماتے ہیں کہ آہستہ ذکر کی ذکر بالجہر پر ستّر گنا فضیلت ہے اور اوپر کی حدیث سے بھی یہ ثابت ہے۔ اب کون احمق ہوگا جو حدیث اور حضرت حسن بصریؒ

کے ارشاد کو خود تراشیدہ اور سینہ زاد اتفاقی باتوں کے لئے چھوڑے گا؟ ایسی باتوں کے لئے یہی موزون ہے کہ ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔ حضرت امام حسن بصریؒ کا یہی ارشاد کہ مسلمان پوری وسعت اور ہمت سے دعا کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی اور قرآن کریم کی دو آیتوں اُدْعُوْا رَبَّکُمْ الآیۃ اور اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا سے ذکر بالسر پر استدلال کا تذکرہ تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۲۱ طبع مصر تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۹ طبع مصر، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱ طبع مصر اور تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۳۱ طبع مصر میں بھی موجود ہے، اور تفسیر کبیر میں یہ بھی مذکور ہے۔

الحجۃ الرابعۃ قولہ علیہ السلام دعوۃ فی السر تعدل سبعین دعوۃ فی العلانیۃ وعنہ علیہ السلام خیر الذکر الخفی وخیر الرزق مایکفی اھ (ج ۱۳ ص ۱۳۱)

چوتھی حجت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آہستہ ایک دفعہ کی دعا بلند آواز سے ستر مرتبہ دعا کے برابر ہے اور نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ دعا کے بلند آواز سے دعا پر ستر گنا ثواب زیادہ ہونے پر صرف حضرت حسن بصریؒ کا قول و ارشاد نہیں بلکہ بقول امام رازیؒ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بھی موجود ہے اور یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر تفسیر مظہری کے حوالہ سے پہلے ہو چکا ہے۔

(د) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اس آیت کریمہ سے اخفاء دعا پر استدلال اس قدر واضح ہے کہ امام ابو عبداللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی الشافعیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) نے فقہی مسلک کے اختلاف اور منطقی اور فلسفی ہونے کے باوجود امام صاحبؒ کے استدلال کو صرف صحیح اور درست ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ سپر ڈال کر ان کے ہمنوا ہو گئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اخفاء التأمین افضل وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اعلانہ افضل واحتج ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ علی صحۃ قولہ قال فی قولہ اٰمین وجہان احدھما انہ

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا افضل ہے امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا ہے کہ آمین میں دو وجہیں ہیں پہلی یہ کہ وہ دعا ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالےٰ

دعاء والثانی انه من اسماء اللہ تعالیٰ فان کان دعاءً وجب اخفائه لقوله تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وان کان اسما من اسماء اللہ تعالیٰ وجب اخفائهٗ لقوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً فَاِنْ لم يثبت الوجوب فلا اقل من النُّدْبِيَّة ونحن بهذا القول نقول۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۱ طبع مصر)

کے ناموں میں سے ہے پس اگر آمین دعا ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہو تب بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے سو اگر وجوب ثابت نہ ہو تو استحباب سے کیا کم ہوگا؟ اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ امام فخر الدین الرازیؒ کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہؒ کا دونوں آیتوں سے اس بات پر استدلال صحیح ہے کہ دعا بھی آہستہ ہو اور ذکر اللہ بھی آہستہ ہو اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام رازیؒ آہستہ آمین کہنے کے حق میں ہیں اور اس مسئلہ میں وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور دلیل کو ونحن بهذا القول نَقُوْلُ کہتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں۔

(۷) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بعد جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم حتی کہ حضرت امام رازی الشافعیؒ بھی اس آیت کریمہ سے ذکر جہر اور جہر بالدعاء کو حدود شرع سے متجاوز سمجھتے ہیں، اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) بھی بلند آواز سے دعا کرنے کو حدود شرعیہ سے متجاوز سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ اس آیت کریمہ کے آخری حصہ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ومن الاعتداء فی الدعاء ان یسأل الداعی ما لیس له کالخلود فی الدنیا او ادراك ما هو محال فی نفسه او یطلب الوصول الی منازل الانبیاء فی الآخرة او یرفع صوته بالدعاء

اور دعا میں تجاوز کرنا یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والا ایسی چیز کا مطالبہ کرے جو اس کو حاصل نہیں ہو سکتی مثلاً یہ کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کی دعا کرے یا ایسی چیز کے حاصل کرنے کی دعا کرے جو فی نفسہٖ محال ہو یا آخرت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

صا دخا بدد تفسیر فتح القدیر ج۲ ص۲۱۳ طبع مصر) والسلام کے درجہ کو پہنچنے کی دعا کرے یا بلند آواز سے چلا کر دعا کرے۔

آخر کے خط کشیدہ الفاظ اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل صاف اور واضح ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کو کو بھی قاضی شوکانیؒ کا یہ حوالہ پیش نظر رکھنا چاہئیے جن کے علم و تحقیق پر وہ اعتماد کرتے ہیں۔ الغرض قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر اور بلند آواز سے دعا کرنے کی نفی کرتی ہے اور اس سے ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال ما و شما کا نہیں تاکہ اس میں کیڑے نکالے جائیں بلکہ حضرت ابن مسعودؓ اور فقیہ اُمت حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دیگر اکابر فقہاء احنافؒ کا ہے اب جس کا جو جی چاہے کرے اور جس کی بات چاہے مانے کیونکہ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا۔

حافظ ابن القیم (ابو عبداللہ محمدؒ بن ابی بکرؒ) المتوفی ۷۵۱ھ آہستہ دعا کرنے کے بارے میں دس فوائد اور حکمتیں بیان کرتے ہیں جن کا نہایت مختصر سا خلاصہ یہ ہے (۱) آہستہ دعا کرنا ایمان کی بڑی عظمت ہے (اعظم ایمانا) (۲) اس سے ادب کا بہت بڑا پہلو نمایاں ہوتا ہے (اعظم فی الادب) (۳) عاجزی اور خشوع میں یہ بہت بڑا دخل رکھتا ہے (۴) اخلاص میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ (۵) اس سے اللہ تعالےٰ کے معاملہ میں جمعیت قلب ہوتی ہے (۶) آہستہ دعا کرنے والے کا اللہ تعالےٰ کے ساتھ قرب کا تعلق نمایاں ہوتا ہے (۷) یہ دوام طلب کی طرف بہت داعی ہے (ادعیٰ الیٰ دوام الطلب) (۸) یہ خشوع کو قطع کرنے والے اسباب اور مشوشات سے بعید تر ہے۔ (۹) حاسد کے مکر سے بعید تر ہے (۱۰) دعا چونکہ ذکر ہے اور اس کا اخفاء اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے لہٰذا دعا بھی آہستہ ہو۔ (محصلہ بدائع الفوائد ج ۳ ص۶ تا ص۹)

اعتراض اور اس کا جواب :-

مفتی احمد یار خاں صاحب نے اس آیت کریمہ سے استدلال کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ۔ اوّلاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو الخ (جاء الحق ص۳۳۶) اس کے بعد دعا کے خفیہ افضل ہونے پر تفسیر روح البیان اور خازن کی عبارتیں نقل کی ہیں جو کہ ہماری تائید میں ہیں نہ کہ تردید میں لیکن مفتی احمد یار خاں صاحب کا یہ کہنا نری دفع الوقتی ہے، اوّلاً اس لئے کہ فقیہ امت حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت کریمہ سے ذکر بھی مراد لی ہے کیا ان کے نزدیک

حضرت امام صاحبؒ کا یہ استدلال صحیح ہے یا غلط؟ فیصلہ انہیں پر ہے اور کیا دعا کی طرح ذکر میں اخلاص تام مطلوب نہیں ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ جن بعض مفسرین کرامؒ نے اُدْعُوْا کا معنی اُذْکُرُوْا سے کیا ہے مثلاً قاضی ثناء اللہ صاحبؒ وغیرہ تو مفتی صاحب اس کو کہاں لے جائیں گے؟ کیونکہ قرآن کریم کی تفسیریں اور بھی ہیں صرف روح البیان وغیرہ ہی نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ، یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الٰہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی اُدْعُوْا سے مراد ذکر الٰہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے الخ (بلفظہ جاء الحق ص۲۳۷) اس کے بعد انہوں نے تفسیر خازن کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کر کے پھر اس کا ترجمہ کیا ہے لیکن اس کا تعلق عام عبادات اور طاعات سے ہے خصوصی طور پر ذکر سے اس کا مطابقی تعلق نہیں ہے۔ اس عبارت میں مفتی صاحب نے ایک بات تو بجا کہی کہ اُدْعُوْا سے مراد ذکر الٰہی ہے لیکن اس میں بھی انہوں نے حقیقت شناسی سے کام نہیں لیا، اوّلاً اس لئے کہ اس آیت کریمہ سے صرف ذکر الٰہی ہی کیوں متعین کر لیا گیا؟ اس سے ذکر دعا اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی حاجت طلب کرنا وغیرہ کیوں نہ مراد لی جائے کہ یہ سب پر شامل اور محتوی ہو؟ اور اہل علم جانتے ہیں کہ ذکر دعا کے معارض نہیں اور نہ دعا اور ذکر کا تضاد ہے کہ ایک کے مراد لینے سے دوسرا مراد نہ ہو سکے؟ وثانیاً اس لئے کہ امر مطلق وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت ملا جیون الشیخ احمد الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

موجب الامر الوجوب فقط عند العامۃ (نور الانوار ص۳۱) — کہ امر کا اثر اور حکم جو اس سے ثابت ہے اکثر کے نزدیک وجوب ہے۔

مفتی صاحب کو بغیر کسی قرینہ صارفہ کے اس کو استحباب پر حمل کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ اور پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کرنے کو اس آیت کریمہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے امر کے مخالف اور بدعت کہتے ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس مقام میں امر سے مراد امرِ وجوب ہے نہ کہ استحباب کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا لازم آنا اور کسی چیز کا بدعت ہونا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ امر وجوب کا ہو کیونکہ استحباب پر عمل نہ کرنے سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ چیز بدعت ہوتی ہے کما لا یخفیٰ وثالثاً مفتی صاحب نے جو یہ کہا کہ "اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے" تو یہ بھی اصول حنفیہ سے بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک

اذکار اور دعاؤں میں اصل ہی اخفاء ہے جو چیز اصل پر ہو وہ بعض اوقات کے لحاظ سے نہیں ہوتی وہ ہمہ وقت ہوتی ہے ہاں اس کے مد مقابل ذکر بالجہر میں بعض اوقات کو ملحوظ رکھا جائے گا اور وہ ایسے مقامات ہیں جہاں شرعاً جہر ثابت ہے جس کی بقدر ضرورت تفصیل اسی کتاب میں مذکور ہے۔

مؤلف ذکر بالجہر کی بوکھلاہٹ:۔

اس قطعی الدلالت آیت کریمہ سے گلو خلاصی کے لئے مؤلف مذکور نے جو مخلص تلاش کیا اور انتہائی غضب اور غصہ میں بدحواس ہو کر جو کچھ لکھا وہ بھی قابل دید ہے وہ لکھتے ہیں کہ علماء کی عبارات میں تو آپ کتر بیونت کرتے ہی تھے اب خیر سے قرآن میں بھی تحریف شروع کر دی بتلائیے سرفراز صاحب قرآن کریم کی اس آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جس کا ترجمہ آپ نے ذکر کیا ہے، اس آیت میں دعا مانگنے کا طریقہ بتلایا ہے اور سادْعُوْا کا ترجمہ ہے دعا مانگو آپ نے اس میں ذکر کا چور دروازہ کیسے اور کس قاعدہ کے تحت تلاش کر لیا اور آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ آپ اللہ کے کلام میں اپنی ہوس اور من مانی بدعات کی گنجائش نکال لیں، اس آیت کے تحت لکھتے وقت اگر کچھ میسر نہیں تھا تو اپنے حکیم الامت کا ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا جو لکھتے ہیں تم اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی انتہی (ص ۱۹۱ مطبوعہ تاج کمپنی (ذکر بالجہر ص۵)

الجواب:۔ جناب غصہ تھوک دیجئے علم اور تحقیق کے میدان میں غصے کا کیا کام؟ معاف رکھیے (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم نے اس آیت کریمہ میں اُدْعُوْا کا ترجمہ ذکر کرنے کی کتر بیونت اور تحریف حضرت امام ابو حنیفہؒ بلکہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فقہاء احنافؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ سے سیکھی ہے بلکہ مفتی احمد یار خاں صاحب بھی دوسری تفسیر کے لحاظ سے ہمارے ہمنوا ہیں اور ہم نے اس چور دروازہ کو تلاش کر لیا ہے جس کو حضرت ابن مسعودؓ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور فقہاء احنافؒ نے ڈھونڈ نکالا ہے اور مفتی صاحب بھی اسی چور دروازہ سے داخل ہوئے ہیں معاف رکھیے ہم نے کوئی نیا چور دروازہ نہیں تلاش کیا، اور بحمد اللہ تعالیٰ ترجمہ کرتے وقت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کا ترجمہ بھی پیش نظر تھا اور دیگر تراجم اور تفاسیر بھی جن میں سے بعض کے حوالے آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری آیت کریمہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَاذْکُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ ۝ (پ۹، الاعراف، ۲۴)	اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح اور شام کے اوقات میں اور نہ ہو تو غافلوں میں سے ۔

اس آیت کریمہ میں یہ حکم اور سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل میں اور پست آواز سے کیا جائے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت کریمہ سے بھی ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ابو حنیفہ ثانی زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں :۔

فقال ابو حنیفۃؒ رفع الصوت بالذکر بدعۃ و یخالف الامر من قولہ تعالیٰ وَاذْکُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ فیقتصر علی مورد الشرع الخ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ طبع مصر)	سو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے کہ تو اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کر عاجزی سے ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو پس جہر وہاں ہی ہوگا جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے۔

پوری عبارت انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آرہی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق میں بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور ارشاد کے مخالف ہے اور اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ ذکر کا تذکرہ ہے اور چور دروازہ بھی کوئی نہیں ہے۔ امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی ۷۱۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وَاذْکُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ ھُوَ عام فی الاذکار من قراءۃ القرآن والدعاء والتسبیح والتھلیل وغیر ذلك۔ (تفسیر مدارک ج ۲ ص ۹۲ طبع مصر)	اور تو ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں کا ارشاد تمام اذکار میں عام ہے قراءتِ قرآن دعاء تسبیح اور تہلیل وغیرہ سب کو یہ شامل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کا لفظ کسی مخصوص ذکر اور ورد سے مقید نہیں بلکہ قرآن کریم کی تلاوت

دعاء سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ وغیرہ سب کے لئے یہ عام ہے۔ اس کے بعد صاحب مدارک لکھتے ہیں:۔

ودُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ومتكلما كلاما دون الجهر لان الاخفاء ادخل فى الاخلاص واقرب الى حسن التفكر۔ (تفسیر مدارک ج ۲ ص ۹۲)

اور جہر سے کم قول کا یہ مطلب ہے کہ ایسا کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفار کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے فکر کرنے کے لیے بھی یہ زیادہ قریب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت ہو یا دعا، تسبیح و تہلیل ہو یا کوئی اور ذکر سب میں اخفار مطلوب ہے کیونکہ اخلاص میں بھی اس کا زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے اس پر غور و فکر کرنے کا موقع بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے، بعض مطلب پرستوں نے تفسیر مدارک کا پہلا حوالہ تو ذکر کر دیا ہے اور یہ ساتھ والا دوسرا حوالہ نہیں بیان کیا تاکہ ان کے نفسانی مسلک کی قلعی نہ کھل جائے، کیا یہ بھی کوئی علمی خدمت اور دیانت ہے؟

مشہور مفسر امام محمدؒ بن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طویل تشریح کرتے ہوئے معروف تابعی حضرت مجاہدؒ (بن جبرؒ جو الامام اور الحافظ تھے المتوفی ۱۰۳ھ) کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں:

قال مجاهد امروا ان يذكروا فى الصدور تضرعا وخيفة۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۶۶ طبع مصر)

کہ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے دلوں میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے ذکر کریں۔

اور الامام الحافظ عبد الملکؒ بن عبد العزیزؒ بن جریجؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) سے اس کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں:۔

قال يؤمر فى الدعاء بالتضرع والاستكانة ويكره رفع الصوت والنداء والصياح بالدعاء (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۶۷)

کہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا اور چلانا مکروہ ہے۔

علامہ علاؤ الدین علیؒ بن محمد المعروف بالخازن الشافعیؒ (المتوفی ۷۲۵ھ) وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:۔

قال مجاهد وابن جريج امروا ان يذكروه فى الصدور بالتضرع والاستكانة

حضرت مجاہدؒ اور حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے دلوں میں عاجزی اور انکساری

دُون رفع الصوت بالدعاء (تفسیر خازن ج۲ ص۳۳۲ طبع مصر)	کے ساتھ اس کا ذکر کریں نہ یہ کہ دعائیں آواز بلند کی جائے۔

امام ابو محمد حسینؒ بن مسعود الفراء البغوی الشافعیؒ (المتوفی ۵۱۶ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ قال ابن عباسؓ یعنی بالذکر القرأة فی الصلوٰة یرید یقرأ سرًّا فی نفسہ تضرعًا وخیفۃ ای تتضرع الیّ وتخاف منی ھذا فی صلوٰۃ السرّ وقولہ ودُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اراد فی صلوٰۃ الجھر لا تجھر جھرًا شدیدًا بل فی خفض وسکون تسمع من خلفك وقال مجاھد وابن جریج امران یذکروہ فی الصدور وبالتضرع الیہ دون رفع الصوت والصیاح بالدعاء۔ (معالم التنزیل ج۲ ص۳۳۲ برھامش الخازن)	کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ کا معنیٰ یہ ہے کہ نماز میں قرأت آہستہ کر عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یعنی میری طرف عاجزی کرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ سِرّی نماز کے بارے میں ہے اور دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا یہ مطلب ہے کہ جہری نماز میں جہر شدید نہ کر بلکہ آہستہ اور سکون کے ساتھ ہو کہ تو اپنے مقتدیوں کو سنا سکے اور حضرت مجاہدؒ اور حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کی طرف عاجزی کرتے ہوئے اپنے دلوں میں اس کا ذکر کریں نہ یہ کہ دعائیں آواز بلند ہو اور نہ چلائیں۔

اس میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر بھی آگئی کہ یہ آیت کریمہ نماز میں قراءت کے بارے میں ہے، سِرّی نماز میں عاجزی و زاری کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے قراءت کی جائے، اور جہری نماز میں اس قدر جہر ہو کہ پیچھے مقتدی سن لیں، یعنی ضرورت سے زیادہ جہر نہ ہو، اس سلسلہ میں بعض حضرات فقہاء احنافؒ کی بعض عبارتیں بھی ص۸۸ میں آرہی ہیں۔ اور پھر اس کے بعد حضرت مجاہدؒ و حضرت ابن جریجؒ کی وہی تفسیر نقل کی جو اور حضرات مفسرین کرامؒ نقل فرما رہے ہیں۔

امام فخر الدین الرازی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ المعنی ان یذکر ربّہٗ علی وجہ یسمع نفسہ فان المراد	دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے رب کو اس طرح یاد کرے کہ اپنے نفس کو سنا سکے

حصول الذکر اللسانی والذکر اللسانی اذا کان بحیث یسمع نفسہ فانہ یتأثر الخیال من ذٰلک الذکر و تأثر الخیال یوجب قوۃ فی الذکر القلبی الروحانی اھ (تفسیر کبیر ج ۱۵ ص۱۰۱ طبع مصر)	کیونکہ مراد تو یہ ہے کہ زبانی ذکر حاصل ہو اور زبانی ذکر جب اس طرح ہو کہ اپنے نفس کو سنا سکے تو اس ذکر سے خیال متاثر ہوگا اور خیال کا متاثر ہونا قلبی و روحانی ذکر کی قوت کا موجب ہے۔

اس تفسیر میں امام رازیؒ نے جہر کی ایک نوع یا بالفاظ دیگر ادنیٰ جہر کا تذکرہ فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرما دی کہ خود ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے اور یہی ذکرِ لسانی اور دُوْنَ الْجَهْرِ کا مصداق ہے اور علامہ محمدؒ بن محمد العمادی الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وھو عام فی الاذکار کافۃ فان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب من الاجابۃ (تفسیر ابو السعود ج ۲ ص۲۳۴ طبع مصر)	یہ تمام اذکار میں عام ہے اس لئے کہ آہستہ ذکر کرنے کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

اس تفسیر میں بھی یہ بات واضح طور پر مذکور ہے کہ یہ آیت کریمہ تمام اذکار کے لئے عام ہے اور آہستہ ذکر ہی کا اخلاص اور قبولیت میں زیادہ دخل ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں:۔

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ای متکلما کلاما فوق السر و دُوْنَ الْجَهْرِ اراد فی صلوٰۃ الجھر ولا تجھر جھرا شدیدا بل فی خفض وسکون یسمع من خلفک کذا قال ابن عباسؓ فی تفسیر الاٰیۃ (تفسیر مظہری ج ۳ ص۵۰۹ و ص۵۱۰)	وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا یہ مطلب ہے کہ اس انداز سے کلام کیا جائے جو آہستہ سے اوپر اور جہر سے کم ہو اور اس سے مراد جہری نماز ہے مطلب یہ ہے کہ زیادہ شدت سے جہر نہ کرو بلکہ آہستہ اور سکون سے ہو تاکہ جو تمہارے پیچھے اقتداء میں ہیں وہ سن لیں اسی طرح اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

غور فرمائیے کہ جہری نماز میں بھی جس میں مطلوب ہی جہر ہے جہر شدید ممنوع اور ناپسندیدہ ہے حالانکہ اس میں مقتدیوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسی حد تک جہر ہو جس حد تک نماز میں شامل

مقتدی سن سکیں ضرورت سے زیادہ درست نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

وَھو عام لکل ذکر فان الاخفاء ادخل	یہ ہر ذکر کے لئے عام ہے کیونکہ اخفاء کا اخلاص
فی الاخلاص واقرب من القبول۔	میں زیادہ دخل ہے اور وہ قبولیت کے بھی قریب ہے

اور دُوْنَ الْجَھْرِ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والمراد بالجھر رفع الصوت المفرط	اور مراد جہر سے افراط سے آواز بلند کرنا ہے
وبما دونہ نوع آخر من الجھر قال	اور وَدُوْنَ الْجَھْرِ سے جہر کی ایک اور قسم
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ھو	مراد ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ قسم
ان یسمع نفسہ وقال الامام المراد	یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا سکے اور امام صاحبؒ
ان یقع الذکر متوسطا بین الجھر	نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ذکر جہر اور آہستہ کے
والمخافتۃ اھ (تفسیر روح المعانی ج ۹	درمیان ہو۔

ص ۱۵۴ طبع مصر)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اذکار میں جہر مفرط (جن مقامات میں ثابت نہیں) مطلوب نہیں بلکہ جہر کی ایک ایسی نوع اور قسم مطلوب ہے جو جہر مفرط اور آہستہ کے درمیان ہو اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ وہ یوں ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے الغرض وَدُوْنَ الْجَھْرِ میں ایسا جہر مراد نہیں کہ دوسرے لوگ سن سکیں اور ان کے مشاغل میں خلل پڑے بلکہ ایسا جہر مراد ہے (ھو ان یسمع نفسہ) کہ اپنے آپ کو سنا سکے اسی کو بعض حضرات نے جہر کے ادنیٰ درجہ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو بعض دیگر حضرات نے بالسر کے ساتھ تعبیر کر دیا ہے مقصود دونوں قسم کے بزرگوں کا صرف ایک ہے البتہ تعبیر جدا جدا ہے ع

آخر کو ہم دونوں درِ جاناں پہ جا لئے

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) نواسہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ) سوال و جواب کی صورت میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

سوال ہفتاد و پنجم ذکر جہر در شرع جائز است
یاگناہ کدام گناہ۔ جواب:۔ ذکر جہر در
مذہب حنفیہ بدعت است مگر جائیکہ دراں
ذکر جہر آمدہ مثل اذان وغیرہ دراں بدعت
نیست وماسوائے آں بدعت است۔ قال
فی فتح القدیر والاصل فی الاذکار الاخفاء
والجهر بها بدعة انتهى جائیکہ بدعت را
مطلق گذارند بدعت سیئہ مراد می باشد چنانچہ
از عبارات کتب فقہ معلوم می شود وفی غایة
البیان شرح الهدایة فی تعلیل مذهب
ابی حنیفة لان الجهر بالتکبیر بدعة
لقوله تعالى اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ
خُفْيَةً انتهى قال فی الکفایة شرح
الهدایة ان الجهر بالتکبیر بدعة
وفی البحر ان الجهر بالتکبیر بدعة
فی کل وقت الا فی المواضع المستثناة
وصرح قاضیخان فی فتاواه بکراهة
الذکر جهرا وتبعه على ذلك صاحب
المصفى وفی فتاوى العلامية ويمنع
الصوفية من رفع الصوت والصفق
وصرح فی بحرية المغنی فی شرح التحفة
ومنع على من يفعله مدعيا انه من
الصوفية وفی البرهان شرح مواهب الرحمن

پچہترواں سوال۔ کیا ذکر بالجہر شریعت میں جائز ہے
یا ناجائز؟ یا گناہ ہے؟ اور کونسا گناہ ہے؟ الجواب
ذکر بالجہر مذہب حنفیہ میں بدعت ہے مگر اس جگہ
جہاں ذکر بالجہر کا حکم آیا ہے مثلاً اذان وغیرہ کہ اس
میں آواز بلند کرنا بدعت نہیں اور اس کے علاوہ
بدعت ہے فتح القدیر میں ہے کہ اذکار میں اصل
اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے ان
کی بات ختم ہوئی جس مقام پر حضرات فقہاء کرامؒ
بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں، اس مقام میں بدعت
سے سیئہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہی عبارات سے
یہ بات معلوم ہوتی ہے اور ہدایہ کی شرح غایۃ البیان
میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی دلیل اور
علت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بلند آواز سے
تکبیر کہنا بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو ان کی
بات ختم ہوئی اور ہدایہ کی شرح کفایہ میں ہے کہ بلند
آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اور بحر الرائق میں ہے
کہ تمام اوقات بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے
مگر ان جگہوں میں جہاں شرعاً استثناء آئی ہے
اور امام قاضی خانؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح
کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور مصنف
المصفى نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور فتاویٰ
العلامیہ میں ہے کہ صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور

رفع الصوت بالذکر بدعة لمخالفة قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ وقوله صلی الله علیه وسلم خیر الذکر الخفی فیقتصر فیه علیٰ مورد الشرع وقد ورد فی الاضحیٰ کذا فی رسالة محمد عابد الاسدی الانصاریؒ وآنچه در بعضے احادیث ذکر جہر ثابت شد بغیر مواضع مقرر بنا بر تعلیم است چنانچہ در شرح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ تصریح کردہ است من شاء فلینظر انتہیٰ (مائتہ مسائل ص۹۴ و ص۹۵ و ص۹۶ طبع مصطفائی محمد حسین خان ۱۲۸۳ھ)

تالیاں بجانے سے منع کیا جائے گا اور تحفہ کی شرح بحر یۃ المغنی میں ہے کہ جو لوگ صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو اس کاروائی سے روکا جائے گا اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے اور تو اپنے رب جل جلالہٗ کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کر اور ایسی آواز سے ذکر کر جو پکار کر بولنے سے کم ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو تو بلند آواز سے ذکر اسی مورد پر بند ہو گا جہاں وارد ہوا ہے اور بلاشبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جہر آیا ہے اسی طرح علامہ محمد عابد الاسدی الانصاریؒ کے رسالہ میں آیا ہے اور جن بعض احادیث سے ان جگہوں کے علاوہ جہر ثابت ہوتا ہے جن میں جہر مقرر ہوا ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے جیسا کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کی تصریح فرمائی ہے جس کا جی چاہے اس کو دیکھ لے۔

حضرت شیخ احمد المعروف بہ ملا جیونؒ لکھتے ہیں:

قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ عامة فی الاذکار من قراءة القرآن والدعاء والتسبیح والتہلیل وغیر ذلك ای اذکر ربك فی نفسك ای ذکرکان تَضَرُّعًا وَخِيفَةً متضرعًا وخائفًا وَدُونَ الْجَهْرِ

کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تو اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر تمام اذکار کو شامل ہے قرأۃ قرآن دعا تسبیح اور تہلیل وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کر جو نسا ذکر بھی ہو عاجزی کرتے اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کا یہ معنی ہے کہ ایسا

مِنَ الْقَوْلِ ومتکلما کلامًا دون الجهر
لان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب
الٰی حسن التفکر بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
لفضل هٰذین الوقتین او هو کنایة
عن الدوام وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ه
الذین یغفلون عن ذکر اللّٰه هٰکذا
قالوا ولا یخفٰی ان الآیة تدل علٰی افضلیة
الذکر الخفی کله ولهذا قال بعض اهل
السلوك ان الذکر الخفی عزیمة والجهر
بدعة او مباح وعند البعض الجهر
اصل وهذا بحث مختلف فیه
بین الانام فی زماننا ولا طائل تحتهٗ
اذ المقصود للکل الوصول الی اللّٰه
تعالٰی بای طریق کان وقال صاحب الهدایة
ان الجهر بالتکبیر بدعة الا ان للامام
فی الصلوٰة وایام التشریق وهٰذا
بالاتفاق وقالوا ان الاخفاء بالدعاء
اسرع اجابة بدلیل قوله تعالٰی اِذْ
نَادٰی رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا وَقولهٗ تعالٰی
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وهٰذا
ایضًا بالاتفاق۔ (التفسیرات
الاحمدیة ص۲۸۱ طبع علیمی دهلی)

کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ
دخل ہے اور یہ حسن تفکر کے بھی زیادہ قریب ہے صبح
اور شام کا اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ
ان دونوں وقتوں میں ذکر کی فضیلت زیادہ ہے
اور یہ دوام سے کنایہ ہے اور نہ ہو تو غافلوں میں
سے یعنی ان لوگوں سے جو اللہ تعالٰی کے ذکر سے
غافل ہیں۔ اسی طرح حضرات مفسرین کرامؒ نے کہا
ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ آیت کریمہ ذکر خفی کے افضل
ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی لئے بعض اہلِ
سلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکر عزیمت ہے اور
بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت یا مباح ہے اور بعض
کے نزدیک جہر اصل ہے اور یہ بحث ہمارے زمانہ
میں لوگوں میں مختلف فیہ چلی آرہی ہے لیکن
اس میں کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مقصود سب کا
وصول الی اللہ ہے جس طریقہ سے بھی ہو اور صاحب
ہدایہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت
ہے مگر امام کے لئے نماز میں اور ایام تشریق میں
اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اکابر نے فرمایا
ہے کہ آہستہ دعا بہت جلدی قبول ہوتی ہے
اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ جب
اس (یعنی حضرت زکریا علیہ السلام) نے اپنے
رب کو آہستہ پکارا اور نیز اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد
کہ تم اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور ڈرتے

ہوئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

ان بعض اہل سلوک کا مسلک اور اس کی بحث اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ العزیز دیگر اکثر اہل سلوک اور جمہور حضرات فقہاء کرامؒ کا مسلک آہستہ ذکر کرنے کا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کو چھوڑ کر کوئی معتبر فقیہ بھلا جا بھی کہاں سکتا ہے؟

کاش کہ حضرت شیخ تھانوی جیونؒ اس وقت موجود ہوتے اور لاؤڈ سپیکروں پر ذکر بالجہر کا دن رات شور و غل سنتے تو پھر اس کو وہ وصول الی اللہ تعالیٰ کا طریقہ بتاتے تو پتہ چلتا؟

اس کے علاوہ بھی قرآن کریم کی متعدد آیات آہستہ ذکر پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں مگر ہمارا مقصد تمام دلائل کا استیعاب نہیں اور نہ یہ امر ہمارے حیطۂ امکان میں ہے ہم تو صرف اپنے مسلک کو مبرہن اور مدلل کرنا چاہتے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی ہے۔

بابُ دُوم

حدیث شریف

قرآن کریم کے بعد اہلِ اسلام کے ہاں حدیث شریف کا درجہ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آہستہ ذکر کرنے کے ثبوت میں بعض حدیثیں بھی عرض کر دیں تاکہ مسئلہ کی حقیقت ماننے والوں کے لئے کھل کر سامنے آجائے اور نہ ماننے والوں کے لئے تو قطعی دلیل بھی کار آمد نہیں۔

پہلی حدیث

حضرت ابُو موسیٰ (عبداللہؓ بن قیس) الاشعریؒ (المتوفی ۵۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ:۔

لما غزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبرا وقال لما توجّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الناس علیٰ وادٍ فرفعوا اصواتھم بالتکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اُصمّ ولا غائبا انکم تدعون سمیعًا قریبًا وھو معکم (الحدیث) (بخاری ج۲ ص۶۰۵ واللفظ لہٗ ومسلم ج۲ ص۳۴۶ ومسند احمد ج۴ ص۳۹۴)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے نکلے یا یہ کہا کہ آپ متوجہ ہوئے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے سو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بیشک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ (بجز مستثنیٰ مواقع کے) بلند آواز سے تکبیر اور ذکر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند نہیں اور اسی لئے آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام محی الدین ابوزکریا شرف الدین النوویؒ الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع حاجۃ الی رفعہ فانہ اذا خفضہ کان ابلغ فی توقیرہ وتعظیمہ فان دعت حاجۃ الی الرفع رفع کما جاءت بہ احادیث انتھی (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۴۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جہر کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے تو ذکر میں آواز پست رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ آہستہ آواز اس کی توقیر وتعظیم پر زیادہ دلالت کرتی ہے ہاں اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پھر آواز بلند کرنی چاہیئے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔

یہ عبارت بھی واضح ہے کہ جہاں کوئی شرعی حاجت اور اجازت ہو تو وہاں کا معاملہ ہی الگ ہے ورنہ ذکر اور دعا میں آواز کو پست رکھنا ہی شرعاً پسندیدہ امر ہے حاجت اور اجازت کے مقامات آگے آرہے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ، علامہ بدر الدین محمودؒ بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

لان حاصل المعنی فیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء اھ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۴۴ طبع مصر)

کیونکہ اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر اور دعا دونوں کو مکروہ سمجھا ہے۔

علامہ عینیؒ نے اس عبارت میں تصریح فرمادی ہے کہ ذکر اور دعا دونوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ سمجھا ہے اور اسی وجہ سے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر اور دعا کو مکروہ قرار دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرات سلف صالحینؒ نے اس کو مکروہ نہ سمجھا ہو یہی وجہ ہے حافظ ابو الفضل احمدؒ بن علیؒ بن حجرؒ عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہیں:۔

قال الطبری فیہ کراھیۃ رفع الصوت بالدعاء والذکر بہ قال عامۃ السلف من الصحابۃ والتابعین (فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۰)

امام طبریؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر کرنا مکروہ ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں اکثر سلف اسی کے قائل تھے۔

غور فرمائیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند آواز سے دعا اور ذکر کو مکروہ سمجھیں اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بھی اس کو مکروہ سمجھیں تو پھر بجز ان مواقع کے جہاں شرعاً جہر کی اجازت اور گنجائش ہے اور کسی موقع پر کون جہر بالذکر والدعاء کو جائز اور مباح سمجھ سکتا ہے؟

مؤلف ذکر بالجہر کی راہِ فرار

مؤلف ذکر بالجہر نے ص۵۴ میں اس حدیث کے سات جوابات دیئے ہیں۔ ہم انہیں کے الفاظ میں ان کو نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

الجواب:۔ اولاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مبارک سے نہ تو مطلقاً جہر کی ممانعت فرمائی ہے اور نہ جہر متوسط کی (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان) بلکہ اس فرمان سے جہر مفرط کی نہی فرمائی، چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں قال علیہ السلام اربعوا علی انفسکم الحدیث اور یہ بھی ذکر جہر ہی ہے رفق کو فرمایا گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات و احادیث بہت جواز پر دال ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۲۱۳) ثانیاً چونکہ دوسرے دلائل سے جہر متوسط ثابت ہے لہٰذا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں نہ ڈالو جیسا کہ اربعوا علیٰ انفسکم اس پر قرینہ ہے۔ ثالثاً اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی بہرے سے گفتگو کرتے وقت جہر کرتا ہے اور اس پر انکم لا تدعون اصم قرینہ ہے رابعاً اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی گمشدہ شخص کو ڈھونڈنے کے لئے پکارتا ہے اور چلاتا ہے اور اس پر ولا غائبا قرینہ ہے خامساً اس طرح جہر نہ کرو جس سے یہ معلوم ہو کہ تم اللہ کے سنانے کے لئے جہر کر رہے ہو اور تمہارے چلائے بغیر وہ نہیں سن سکتا اس پر انکم تدعون سمیعاً قرینہ ہے۔ سادساً اس طرح سے جہر نہ کرو جس سے یہ ظاہر ہو کہ خدا تم سے دور ہے اور تم چلا کر دور اپنی آواز پہنچا رہے ہو اور اس پر قریبا وھو معکم قرینہ ہے۔ سابعاً یہ فرمان اس صورت پر محمول ہے کہ جب جہر سے کوئی دینی ضرر لاحق ہو چنانچہ علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے

موقع پر اس فرمان کے ذریعہ جہر سے روکا تھا تاکہ مسلمانوں کی آواز سُن کر کفار کو ان کے مقام اور موجودگی کا علم نہ ہو جائے اھ۔

الجواب:۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے ان کو سود مند نہیں ہے اوّل تو اس لئے کہ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر مفرط سے نہی نہیں فرمائی بلکہ مطلق جہر سے نہی فرمائی ہے جیسا کہ امام نوویؒ علامہ عینیؒ اور امام طبریؒ کی عبارات اس پر دال ہیں اور یہی مطلب حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور سلف صالحینؒ سمجھے ہیں گذر چکا ہے کہ جب وہ دعا کرتے تھے تو ان کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی اور اس جہر میں متوسط بھی شامل ہے اس سے جہر متوسط کو خارج کرنا اور سم سے بیان کا مطالبہ کرنا بے سود ہے بلکہ قطعی طور پر جہر متوسط ثابت کرنے والے پر اس کا بیان لازم ہے (و من ادعیٰ فعلیه البیان بالبرهان) پھر انہوں نے نقل میں علمی خیانت کا ارتکاب بھی کیا ہے اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے بات صاف ہوتی ہے پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:۔

سوال:۔ ذکر جہر مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا نہیں مدلل ارقام فرمائیے۔

الجواب:۔ ذکر جہر میں حنفیہ کی کتب میں روایات مختلفہ ہیں کسی سے کراہت ثابت ہوتی ہے غیر محل ثبوت میں اور بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے، اور اس کی دلیل طلب کرنا بے سود ہے کیونکہ مجتہدین کا خلاف ہے۔ سو اب کون فیصلہ کر سکتا ہے مگر جواز کی دلیل یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ اُذْكُرْ رَبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ الآیۃ دُوْنَ الْجَهْرِ بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے قال علیہ السلام اربعوا علیٰ انفسکم الحدیث الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۵ طبع جید برقی پریس دہلی) حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اس عبارت میں ذکر جہر کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ آیت سے جو جہر ثابت ہے (وہ جہر مفرط اور جہر متوسط نہیں بلکہ) وہ جہر کا ادنیٰ درجہ ہے اور چونکہ یہ باتیں مؤلف مذکور کے نظریہ کے خلاف تھیں اس لئے یہ ساری عبارت ہی وہ پی گیا ہے اور مفید مطلب جملے اڑا لیے ہے جہر اور سِر کے معنی کی تعیین کے بارے میں خود خاصا اختلاف ہے کچھ ضروری عبارتیں عنقریب آ رہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ مشہور امام ابو الحسن عبید اللہؒ بن حسین الکرخی الحنفیؒ (المتوفی ۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:۔

وقال الکرخی ادنی الجهر ان یسمع نفسه اھ (ہدایہ ج ۱ ص ۹۸) — کہ ادنیٰ جہر یہ ہے کہ بولنے والا اپنے آپ کو سُنائے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ ادنیٰ جہر کا یہ معنیٰ ہے کہ آدمی خود اپنے آپ کو سُنا سکے، فرمائیے اس جہر کا جہر مفرط اور جہر متوسط سے کیا تعلق ہے؟ اور اس معنیٰ میں اس آیت کریمہ کو ذکر بالجہر کی دلیل بنائیں جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا ہے یا اس کو ذکر بالسر کی دلیل بنائیں جیسا کہ سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے ان میں کیا فرق نکلے گا؟ اور اس سے کیا تفاوت پڑے گا؟ کیونکہ مآل دونوں کا ایک ہی ہے اس میں اگر نزاع ہے تو صرف لفظی ہے اور فرق صرف تعبیر کا ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

عباراتنا شتّٰی وحسنك واحد ... وكل الى ذالك الجمال يشير؟

امام شمس الدین قہستانی الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۳ھ) ادنیٰ جہر کا یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ اگر امام ہو تو اس کا ادنیٰ جہر یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی اور بھی سُن لے اور اگر منفرد ہے تو اس کے حق میں ادنیٰ جہر یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو سُنا سکے آگے لکھتے ہیں کہ:۔

فلو اسمع اثنين كان من اعلى الجهر كما في الخزانة اھ	اگر اس نے دو آدمیوں کو سنایا تو وہ اعلیٰ جہر میں شمار ہوگا جیسا کہ "خزانہ" میں لکھا ہے۔

اور اس سے قبل لکھتے ہیں:۔

لكن في سهو المبسوط والكرماني وغيرهما ان جهر المنفرد اسماع نفسه اھ	لیکن مبسوط کے باب السہو اور کرمانی وغیرہ میں لکھا ہے کہ منفرد کا جہر یہ ہے کہ خود اپنے نفس کو سُنائے۔

(جامع الرموز ج ۱ ص ۱۴۴)

حضرات فقہاء کرامؒ کی یہ صریح عبارات ملاحظہ کر کے جہر غیر مفرط اور ادنیٰ جہر وغیرہ کے الفاظ سے دھوکہ کھانے یا دینے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کیونکہ حضرات فقہاء کرامؒ جس کو ادنیٰ جہر وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں وہی آہستہ اور سر کا معنیٰ ہے۔

فائدہ:۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عبارات میں جہاں بھی ذکر بالجہر کے جواز کا ثبوت آتا ہے اس سے ان کی صریح عبارت کے پیش نظر ادنیٰ درجہ جہر کا ہی مراد ہے ان کی مرضی کے خلاف کوئی شخص جہر مطلق یا جہر متوسط پر حمل کرے گا تو یہ توجیہ القول بما لا یرضٰی بہ قائلہ کا مصداق ہوگا۔ جو اہل علم اور اہل انصاف کے نزدیک قابل التفات نہیں اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس صراحت کے پیش نظر حضرات فقہاء احنافؒ کے باہمی اختلاف میں بھی تطبیق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے وہ یوں کہ جن حضرات

نے ذکر بالجہر کو مکروہ کہا ہے وہ ان مقامات میں ہے جہاں شرعاً ثابت نہیں اور اس جہر سے جہر مفرط اور جہر متوسط دونوں مراد ہوگی جس سے مثلاً نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہو اور جن حضرات نے جہر کی اجازت دی ہے وہ ادنیٰ جہر مراد ہے جس کو ذاکر خود سن لے اور کسی دوسرے کو کوئی اذیت اور تشویش لاحق نہ ہو اور انہوں نے ترجیح بھی اسی قول کو دی ہے علمی طور پر اس تطبیق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مؤلف ذکر بالجہر نے اس حدیث سے گلو خلاصی کے سلسلہ میں جو دوسری تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی وجہ بیان کی ہے۔ وہ ہماری تائید میں ہے نہ کہ تردید میں اور ان تمام وجوہ سے ایسے ذکر بالجہر کی ممانعت ثابت ہے جو لوگوں کی اذیت کا موجب ہو اور ان وجوہ سے آہستہ ذکر کا ثبوت ملتا ہے، نادانی سے مؤلف مذکور ان کو اپنی تائید سمجھے یا لفظی شعبدہ بازی سے اپنے نفس کو خوش کرے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے، اس سے حقیقت نہیں بدلتی جیسا کہ اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے ہاں البتہ ساتویں توجیہ قابل غور ہے بعض شراح حدیث اور حضرات فقہاء کرامؒ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اس لئے آہستہ ذکر کرنے کی تلقین فرمائی تھی کہ بلند آواز سے ذکر کرنے اور تکبیر کہنے کی وجہ سے دشمنوں کو مسلمانوں کی موجودگی یا ان کی پوزیشن اور مقام کا علم نہ ہو جائے اور دشمن ان کے لئے کوئی شر اور فتنہ نہ کھڑا کر دیں، لیکن اس حدیث کے الفاظ کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ توجیہ دور از کار ہوتی ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں جو صراحت سے اس پر دال ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس لئے تھا کہ دشمنوں کو اطلاع نہ ہو جائے بلکہ اس کے برعکس اس میں جہر کی نہی کی صریح علتیں موجود ہیں کہ تم اپنے نفوس پر نرمی کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔ تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع اور قریب ہے، اور وہ ذات (اپنی قدرت علم اور ذات کے لحاظ سے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) تمہارے ساتھ ہے لہٰذا اس حدیث میں ان تمام صریح علتوں کو ترک کر کے کیوں ایک بیرونی اور خارجی علت تلاش کی جائے اور اس کی آخر ضرورت اور حاجت بھی کیا ہے؟ وثانیاً اگر اس حدیث میں کوئی ایسی تصریح موجود ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ نہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محاذ جنگ پر پہنچنے کے بعد فرمائی تھی تاکہ مجاہدین اسلام کی بلند آواز سے تکبیر اور ذکر سن کر دشمنوں کو خبر نہ ہو سکے تو پھر یہ توجیہ درست اور معقول ہوتی مگر اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں

بلکہ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ راستہ اور سفر کا ہے یہ روایت صرف بخاری شریف میں پانچ جگہ آتی ہے ایک مقام کا باحوالہ ذکر اوپر ہو چکا ہے اس میں یہ آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر کے غزوہ کے لئے روانہ ہوئے یا متوجہ ہوئے اور جب ایک میدان میں پہنچے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنی آواز بلند کی الخ (ج ۲ ص ۶۰۵) اور ایک روایت میں آتا ہے حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں تھے جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے (علونا) تو تکبیر کہتے الخ (ج ۱ ص ۹۴۴ و ج ۲ ص ۱۰۹۹) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گھاٹی میں چلنا شروع کیا جب اس گھاٹی پر ایک اور آدمی چڑھا تو اس نے آواز بلند کی الخ (ج ۲ ص ۹۴۵) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ہم آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔

فجعلنا لا نصعد شرفًا ولا نعلو شرفًا	تو ہم شروع ہو گئے کہ کسی ٹیلے پر نہیں چڑھتے تھے
ولا نهبط واديا الّا رفعنا اصواتنا	اور نہ کسی وادی میں اترتے تھے مگر بلند آواز
بالتكبير اھ (ج ۲ ص ۹۴۸)	سے تکبیر پڑھتے تھے۔

یہ صریح روایتیں صاف طور پر یہ بتاتی ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے اور ذکر کرنے کی نہی کا واقعہ خیبر میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ یہ راستے کا واقعہ تھا اور خیبر مدینہ طیبہ سے ۲ سو میل دور ہے (سیرت النبی ج ۱ ص ۴۳۶) اور اس وقت راستہ میں کوئی ایسا زور آور اور طاقت ور دشمن تاریخی طور پر ثابت نہیں جس کے شر سے بچنے کے لئے تقریبًا سولہ سو کے اس اسلامی لشکر اور جان نثاروں کو کوئی خطرہ درپیش ہوتا جس کے لئے تکبیر اور ذکر کے موقع پر اس خطرہ کی وجہ سے آواز پست کرنا ضروری ہوتا اس لئے یہ توجیہ محض ایک مرجوح احتمال ہے اور علمی و تحقیقی لحاظ سے اس کا چنداں وزن نہیں ہے وثانیًا جن اکابر حضرات نے یہ توجیہ بیان اور پسند کی ہے اور فی نفسہ ذکر بالجہر کو جائز اور نہی کو خارجی امر (یعنی دشمنوں کی اطلاع) پر محمول کیا ہے تو انہوں نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

فان كان فى جهره اضرار باحد مثلًا	کہ اگر ذکر بالجہر کی وجہ سے مثلًا کسی کو تکلیف ہوتی
كره والّا لا (کوکب الدری ج ۱ ص ۲۹۷)	ہو تو پھر مکروہ ہے ورنہ نہیں۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ جو حضرات اس مذکور حدیث کی یہ بالا توجیہ کرتے ہیں وہ اس امر کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر اس وقت جائز ہے جب کسی کو اس سے ضرر اور تکلیف نہ ہوتی ہو

مثلاً کسی کی نماز، تلاوت، مطالعہ اور نیند وغیرہ میں خلل نہ پڑتا ہو، اگر خلل پڑتا ہو تو ان کے نزدیک بھی ذکر بالجہر مکروہ ہے اور حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات سے (جو اس کتاب میں موجود ہیں) اس کراہت کا کراہت تحریمی ہونا ظاہر اور واضح ہے۔

دوسری حدیث: حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران (المتوفی ۵۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ و موارد الظمآن ص ۵۷۷ والبیہقی فی شعب الایمان کذا فی التفسیر المظہری ج ۳ ص ۴۰۹)

بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔

امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸ طبع مصر) اور علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں باسناد صحیح (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۲ طبع مصر) اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ ذکر کی بلند آواز سے ذکر کرنے پر بڑی فضیلت ہے اگر ذکر بالجہر جائز اور مشروع بھی ہو تب بھی درجہ اور رتبہ کے لحاظ سے آہستہ ذکر اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ یہ واضح اور صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔ ہاں جہاں شرعاً جہر مطلوب ہے اس کا معاملہ ہی جدا ہے۔

تیسری حدیث: مشہور ثقہ تابعی حضرت قیسؒ بن عبادؒ (المتوفی ۸۰ھ) سے روایت ہے کہ:۔

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلاثۃ الجنائز والقتال والذکر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ تین جگہوں میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ جنازہ۔ لڑائی اور ذکر کے وقت ـــــــ

ـــــــ وقد ذکر الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ رفع الصوت عند ثلاثۃ عند قرأۃ القرآن وعند الجنائز وعند الزحف (السیر الکبیر للامام محمدؒ مع شرح السرخسی ج ۱ ص ۸۹) ـــ

اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین مواقع پر آواز بلند کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے تلاوت قرآن، جنازہ اور قتال کے وقت۔

یہ روایت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے لحاظ سے واضح ہے، اس سلسلہ کی اور بھی بعض احادیث ہیں مثلاً ایک مرسل روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے قرآن کریم کی تلاوت کے موقع پر بیہودگی کرنا اور دعاء کے وقت آواز بلند کرنا اور نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا (الجامع الصغیر ج۱ ص۱ والسراج المنیر ج۱ ص۲۹۴) مگر ہمارا مقصد دلائل و براہین کا استیعاب نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے صرف اپنے دعویٰ کو مبرہن کرنا ہے سو بحمد اللہ تعالیٰ ان دلائل سے ہمارا مدعیٰ مبرہن اور مدلل ہو چکا ہے۔

قارئین کرام! آپ ان صریح اور ٹھوس حوالوں سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ تبلیغ اور تعلیم و تدریس کے موقع کے علاوہ شریعت بغیر کسی ضرورت کے محض تلاوت قرآن کریم کو بھی بلند آواز سے پسند نہیں کرتی حالانکہ قرآن کریم کی تلاوت اپنے درجہ میں بہترین عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ سے سرگوشی اور ہمکلام ہونے کا زرین موقع ہے تو اس سے آپ آسانی کے ساتھ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ ہو حق کی آواز بلند کرنا اور پھر مسجدوں میں اور جماعتی شکل میں اس کو شریعت کیسے پسند کر سکتی ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) نے ایسے ہی موقع کیلئے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے غور سے ملاحظہ فرمائیں، حضرت مساجد میں ذکر جہری کے بارے میں ایک سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

سوال صوفیاء کرامؒ جو بعد نماز مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں اور کودتے چلاتے ہیں اور ہو حق کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور و غل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اشعار وغیرہ توحید اور ذوق و شوق کے پڑھے جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ **جواب** بعض علماء نے رحمہم اللہ کے اسی کتاب میں آگے حوالے آرہے ہیں۔ صفدر) مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ بذکر ہو مکروہ لکھا ہے لہذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہ عوام ہو جاوے یا مسجد کا نقصان ہو اگرچہ ذکر بجہر (ادنیٰ جہر) اور اپنی دیگر شرائط کے ساتھ کما مرّ و سیاتی صفدر) یا بکا و نالہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص۲۱۵ و ص۲۱۶ مبوب طبع کراچی) صوفیاء کرام میں قدم رکھنے والے حضرات اور علی الخصوص مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات حضرت مرحوم کے اس دینی فتویٰ اور اصلاحی مشورہ کو ضرور ملحوظ رکھیں بزرگوں سے کٹ جانے کے بعد آدمی کہیں کا نہیں رہتا اور اس پر نفس امارہ اور شیطان کا استیلاء ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شیطان کے ہتھکنڈے اور نفس امارہ کی تزویر سے بچائے آمین۔

باب سوم

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر

یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن جگہوں میں ذکر بالجہر کو پسند نہیں کرتے تھے ان میں ایک جنازہ بھی ہے اور آپ کی پیروی میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کو مکروہ سمجھتے تھے اور حضرت قیسؓ بن عبادہؓ کی سابق روایت اس کی دلیل ہے اور ان کی یہ روایت سنن الکبریٰ ج۴ ص۷۴ اور مستدرک حاکم ج۲ ص۱۱۶ میں بھی موجود ہے اور علامہ ذہبیؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں اور عمدۃ القاری ج۴ ص۲۴۵ میں بھی اس روایت کا ذکر ہے اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ الصوت عند القتال (مستدرک ج۲ ص۱۱۶ قال الحاکم والذہبی صحیح) لڑائی کے وقت آواز کو مکروہ سمجھتے تھے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات باحوالہ اپنے مقام پر آئے گی کہ ضرورت پیش آنے پر نعرۂ تکبیر بلند کیا جا سکتا ہے اور قدیم سے مسلمانوں کا اس پر عمل چلا آ رہا ہے، لیکن اس کے علاوہ عام حالات میں قتال و جہاد کے وقت رفع الصوت کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند اور مکروہ سمجھا ہے، حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم جن کا تبحر علمی، خدا خوفی حق گوئی اظہر من الشمس ہے اور دین کے بارے میں ان کا احتیاط اس حد تک بڑھا ہوا ہے جس سے زیادہ قیاس و اجتہاد کے رُو سے ممکن اور متصور نہیں (اجتہادی لغزشیں الگ موضوع ہے) ان کی بعض عبارات اور تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کس شدومد کے ساتھ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کی تردید کرتے ہیں، امام حسنؒ بن منصور المعروف بقاضی خان الحنفیؒ (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد ... ذکر کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے اگر کوئی

ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ (فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ ص۹۱ طبع نولکشور)	شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے دل میں آہستہ ذکر کرے۔

یہ بات امام موصوف نے کتاب الجنائز میں لکھی ہے جو اپنے مدعیٰ کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔

امام سراج الدین الاودی الحنفیؒ (المتوفی فی حدود ۵۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن وقولھم کل حی یموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ (فتاویٰ سراجیہ ص۲۳ طبع لکھنؤ)	جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم پڑھنا اور اسی طرح لوگوں کا کل حیّ یموت (کہ ہر جاندار اور زندہ مرنے والا ہے) وغیرہ پڑھنا بدعت ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری (جس کو پانچسو ذمہ دار حضرات علماء کرام نے مرتب کیا ہے) میں ہے:-

وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص۱۶۲ طبع مصر)	اور جنازہ کے ساتھ جانے والوں پر خاموش رہنا لازم ہے اور ذکر اور قراءت قرآن کریم کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اسی طرح طحاوی کی شرح میں ہے۔

امام حافظ الدین محمد الکردری الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ویکرہ رفع الصوت بالذکر خلف الجنازۃ ویذکرہ فی نفسہ (فتاویٰ بزازیہ ج ۱ ص۹۰ علیٰ ہامش الہندیۃ طبع مصر)	جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے ہاں دل میں ذکر کر سکتا ہے۔

علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں:-

وینبغی ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت فیھا بالذکر وقراءۃ القرآن ذکر فی فتاویٰ العصر انہا کراھۃ تحریم واختارہ مجد الائمۃ التوجمانی وقال علاؤ الدین التاجری ترک الاولیٰ ومن اراد الذکر والقراءۃ فلیذکر	اور مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کی جائے اور ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور فتاویٰ العصر میں بیان کیا ہے کہ کراہت اس میں تحریمی ہے۔ اور اسی کو امام مجد الائمہ الترجمانیؒ نے اختیار کیا ہے اور فقیہ علاؤ الدین التاجریؒ نے فرمایا کہ یہ ترک اولیٰ ہے اور جو شخص ذکر

میت کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے۔ (نصاب الاحتساب ص۱۲۵)

رئیس التابعین حضرت سعیدؒ بن المسیبؒ اور امام حسن بصریؒ اور حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ ابراہیم نخعیؒ تمام حضرات اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کے ساتھ لوگوں سے یہ کہا جائے کہ تم اس کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ (سنن الکبریٰ ج ۴ ص۷۴)

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ:-

وخواندنِ کلمہ طیبہ بطریق جہر ہمراہِ جنازہ مکروہ است واگر آہستہ آہستہ خوانند آں را چنانکہ آواز آن بدیگراں نرسد مضائقہ ندارد کما فی العالمگیریۃ وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی فان اراد ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان (مسائل اربعین ص۴۰)	جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا مکروہ ہے اور اگر اس طریقہ سے آہستہ آہستہ پڑھیں کہ دوسروں تک آواز نہ پہنچے تو مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو خاموش رہنا چاہیئے اور ان کے لئے بلند آواز سے ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرنا مکروہ ہے ایسا ہی شرح الطحاوی میں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے تو اپنے دل میں آہستہ کرے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

علامہ علاؤالدین محمدؒ بن علی الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں یعنی کرہ کما کرہ فیہا رفع صوت بذکر او قرأۃ (درمختار ج۱ ص۸۳۵ علی الشامی)، جنازہ میں بلند آواز سے ذکر اور تلاوت کرنا مکروہ ہے۔

اور علامہ ابن عابدین محمد امینؒ بن عمر الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظہیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ (ردالمحتار ج۱ ص۸۳۵)	جو لوگ جنازہ کے ساتھ ہوں ان کے لئے طویل خاموشی مناسب ہے اور فتاویٰ ظہیریہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں آہستہ کرے۔

حضرات فقہاءِ احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی یہ صریح عبارات اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل

والیقرأ فی نفسہ وقال قیسؒ بن عبادؒ کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرھون رفع الصوت عند ثلاث عند القتال وفی الجنازۃ وفی الذکر ذکرہ ابن المنذر فی الاشراف۔ (کبیری ص۵۵۵)

اور قرأت کرنا چاہے تو اپنے دل میں کرے حضرت قیسؒ بن عبادؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ تین مواقع پر آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے لڑائی۔ جنازہ۔ اور ذکر کے وقت امام ابن المنذرؒ نے کتاب الاشراف میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ۔

ویکرہ لمشیعہا رفع الصوت بالذکر والقرأۃ و یذکر فی نفسہ (مرقات ج۴ ص۵۷ طبع ملتان)

جنازہ کے ساتھ جانے والے کے لئے ذکر اور قرأۃ کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے ہاں دل میں ذکر کرتا رہے۔

فقیہ زمان فخر المتاخرین علامہ ابوالاخلاص حسنؒ بن عمار الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں
ویکرہ رفع الصوت بالذکر (نور الایضاح ص۱۳۵) بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے۔

اور امام ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وینبغی لمن تبع جنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم اھ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۲ طبع مصر)

اور جنازہ کے ساتھ جانے والوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ طویل خاموشی اختیار کریں اور ذکر اور تلاوت قرآن کرتے وقت ان کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور کراہت اس میں کراہت تحریمی ہے۔

امام طاہر بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر یعنی حالۃ حمل الجنازۃ وعن ابراھیمؒ کانوا یکرھون ان یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا لہ غفر اللہ لکم۔

جنازہ اٹھانے کی حالت میں بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے اور امام ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرات سلف صالحینؒ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کے ساتھ کوئی آدمی یہ کہے کہ اے لوگو تم

روشن ہیں بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے اکابر کا اسی پر عمل ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۵ ص۳۵۱ میں ہے۔ سوال نمبر ۲۹۴ ذکر خلف الجنازہ مثل تہلیل اور قرأۃ سورۃ ملک وغیرہ میں مفتی بہا کیا ہے؟ الجواب یہ ثابت نہیں اور بہیئت اجتماعیہ بالجہر ایسا کرنا خلافِ عمل سلف صالحینؒ ہے لہٰذا اس کو ترک کیا جاوے انتہیٰ۔

اب یہ فیصلہ مؤلف ذکر بالجہر پر ہے کہ کیا عوام حضرات فقہار احنافؒ کی ان صریح اور واضح عبارات پر عمل کریں یا اس مقام پر بھی چلا چلا کر ذکر بالجہر اور قرأت قرآن کریم کریں؟ اور کیا عوام اس موقع پر ذکر بالجہر کو اور بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کو کار ثواب یقین کریں یا مکروہ اور بدعت سمجھیں؟ اور یہ کراہت بھی حسب تصریح صاحب البحر الرائق وغیرہ مکروہ تحریمی ہے۔ ان کو ہوش میں آکر بتانا چاہیئے کہ عوام کیا کریں اور کس طریق کو اپنائیں؟

مفتی احمد یار خاں صاحب کا فتویٰ

ایک طرف آپ نے حضرات فقہار احنافؒ کی صریح عبارات ملاحظہ فرمائیں کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ اور بدعت ہے اس کے برعکس اس وقت بریلوی حضرات کے مایہ ناز مفتی احمد یار خان صاحب (المتوفی ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء) کا فتویٰ بھی سن لیں وہ لکھتے ہیں:۔

جامع صغیر میں ہے عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اَکْثِرُوا فِی الْجَنَازَۃِ لا الٰہ الا اللہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں لا الٰہ الا اللہ زیادہ کہا کرو اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ انتہیٰ (جاء الحق)، مفتی صاحب کا یہ استدلال مردود ہے، اوّلاً اس لئے کہ یہ روایت الجامع الصغیر ج۱ ص۵۴ (طبع مصر) میں مسند فردوس دیلمیؒ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس کی کوئی تصحیح اور تحسین نہیں کی گئی اور اسی طرح علامہ عزیزیؒ نے السراج المنیر میں بغیر تصحیح و تحسین کے اس کو نقل کیا ہے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ مسند فردوس حدیث کی اُن کتابوں میں شامل نہیں جن میں صحت کا التزام کیا گیا ہو بلکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے مسند فردوس دیلمیؒ کو کتب حدیث کے چوتھے طبقہ میں شمار کیا ہے اور اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

کہ ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات ... یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کے

عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود۔ اثبات کے لئے ان سے استدلال کیا جائے۔

(عجالۂ نافعہ ص۸ طبع مجتبائی دہلی)

اندریں حالات اس روایت پر کیونکر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ اس کی تصحیح نہ ہو، ثانیاً مفتی صاحب کا دعوئی بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کا بھی ہے اور اس حدیث میں رفع الصوت کا کوئی لفظ موجود نہیں محض دل میں ذکر کرنے کا کوئی منکر نہیں جیسا کہ حضرات فقہاء احناف رح کی عبارتوں میں اس کی تصریح گذر چکی ہے۔ چنانچہ علامہ عزیزیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

ای اکثروا حال تشییعکم للجنازۃ من قولہا سرا فان برکتہا تعود علی المیت وعلیکم اما الجہر بہا حالتئذ فغیر مطلوب .فرعن انس رض (السراج المنیر ج۱ ص۲۹۱ طبع مصر)	یعنی تم جنازہ کو رخصت کرتے وقت بکثرت آہستہ یہ پڑھو کیوں کہ اس کی برکت میت اور تم پر لوٹے گی، بہر حال اس حالت میں اس کا جہر سے پڑھنا مطلوب نہیں ہے۔ (مسند فردوس عن انس رض)۔

اسی واضح اور صریح عبارت کی موجودگی میں کوئی شخص بزور اس سے جہر ثابت کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالےٰ ہی کے سپرد ہے اور ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ بھگتنا ہے۔

بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا

کون مسلمان اس بات میں تردد کرسکتا ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا سننا ایک بہت بڑی عبادت کار ثواب اور سعادت ہے، لیکن جہاں جہر کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے مثلاً کسی کی نماز یا کسی بیمار یا سونے والے کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس مقام پر بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے اس سلسلہ میں خود آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واضح ہدایات بھی موجود ہیں (علاوہ اس حوالہ کے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے) اور حضرات فقہاء کرامؒ کی تصریحات بھی صراحۃً موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت البیاضیؓ (حضرت ابو حازم الانصاریؒ) فرماتے ہیں کہ :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خرج علی الناس وھم یصلون وقد علت اصواتھم بالقراءۃ فقال ان المصلی یناجی ربہ عزوجل فلینظر بما یناجیہ	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے جو نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ انکی آوازیں قرآن کریم کی قراءت کے لئے بلند ہو رہی ہیں آپ نے فرمایا کہ نمازی اپنے پروردگار عزوجل سے مناجات کرتا ہے

ولا یجھر بعضکم علی بعض بالقرآن (رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد ج۲ ص۲۶۵)

اور قرآن کریم پڑھتے وقت تم میں سے کوئی شخص کسی پر آواز بلند نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان عبد اللہؓ بن حذافۃ قام یصلی فجھر بصلاتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن حذافۃ لا تسمعنی وسمع ربک (رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر الا انہ قال عن ابی سلمۃ ان عبد اللہ بن حذافۃ ورجال احمد رجال الصحیح مجمع الزوائد ج۲ ص۲۶۵)

حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کھڑے ہو کر جہر سے نماز پڑھنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن حذافہؓ تو مجھے نہ سُنا بلکہ اللہ تعالیٰ کو سُنا (یعنی آہستہ پڑھ)

ان صحیح روایات کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام نے بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے سے بھی منع کیا ہے جب کہ اس طرح پڑھنے سے کسی کے سکون شغل اور آرام میں خلل پڑتا ہو، چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:۔

رجل یقرأ القرآن وبجنبہ رجل یکتب الفقہ لا یمکنہ ان یستمع کان الاثم علی القاری لانہ قرأ فی موضع یشتغل الناس باعمالھم ولا شئی علی الکاتب (ج۱ ص۸۰ طبع نول کشور لکھنؤ)

کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہو اور اس کے پہلو میں کوئی شخص فقہ کے مسائل لکھتا ہو اور بدیں وجہ اس کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ قاری پر ہوگا کیونکہ وہ ایسی جگہ تلاوت کر رہا ہے جہاں لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور لکھنے والے پر ترک سماع کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا۔

اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والا جہر سے پڑھتا ہو اگر آہستہ پڑھتا ہو تو پھر بالکل جائز ہے کیونکہ اس طرح کسی کے کام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

لا یقرأ جھرًا عند المشتغلین بالاعمال

کہ جو لوگ کام میں مشغول ہوں ان کے پاس بلند

ومن حرمة القرآن ان لا یقرأ فی الاسواق وفی موضع اللغو کذا فی القنیۃ (عالمگیری ج۵ ص۳۲۵ طبع مصر)

آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے اور یہ بھی قرآن کریم کی تعظیم میں شامل ہے کہ بازاروں میں اور کھیل کی جگہ قرآن کریم نہ پڑھا جائے قنیہ میں ایسا ہی ہے

یہ عبارت بھی بصراحت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جو لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول و مصروف ہیں ان کے پاس جہر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے مشاغل میں خلل پڑتا ہے اور وہ قرآن کریم کو دلجمعی سے نہیں سن سکتے اور اس سے قرآن کریم کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے اور ایسے ہی بازاروں میں اور کھیل و شغل کی مجلسوں میں بھی پڑھنا درست نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل تو اگر سینما اور بلڈنگ وغیرہ کی افتتاح ہو تو وہ قرآن کریم سے کی جاتی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

فائدہ: مختصر الفتاویٰ المصریہ ص۱۱۲ میں ہے کہ راستوں اور بازاروں میں قرآن کریم پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ یہ لوگوں نے بھیک مانگنے کا ایک ڈھنگ بنا رکھا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم کی بے حرمتی ہے اور اس کو دلجمعی سے کوئی سنتا بھی نہیں۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ نے جب زوردار الفاظ میں ذکر بالجہر کو مکروہ اور بدعت قرار دیا تو ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ احادیث و آثار میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت آئی ہے پھر کس طرح یہ صحیح ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ آخر قرآن کریم بھی تو ایک ذکر (بلکہ عمدہ ذکر) ہے اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

قلت لاشك ان فی الجهر بالقرآن احادیث کثیرة والآثار من الصحابة والتابعینؒ اکثر من ان تحصیٰ لکن فی حق من لا یخاف ریاءً ولا اعجاباً ولا غیرهما من القبائح ولا یؤذی جماعة یلبس علیهم صلوٰتهم ویخلطها فمن خاف شیئاً من ذالك

میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے کے بارے میں بہت احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار موجود ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ جہر ان لوگوں کے لئے ہے جو ریاء، اور خود پسندی وغیرہ بری صفات کا خوف نہ کریں اور نمازیوں

فلا یجوز لہ الجہر وان لم یخف استحب الجہر اھ (تفسیر مظہری ج۳ ص۱۲)

کی جماعت کو اس سے اذیت نہ ہوتی ہو اور نہ ان کی نماز میں اشتباہ اور التباس واقع ہوتا ہو پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف کرتا ہو تو اس کے لئے بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ خوف نہ ہو تو پھر جہر مستحب ہے۔

اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مشروط ہے، اگر اس کی شرطیں پائی جائیں تو جہر مستحب ہے ورنہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور خصوصاً جب کہ نمازیوں کی نماز میں خلل اور اشتباہ پڑنے کا احتمال اور خطرہ ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز ہی نہیں ہے (فلا یجوز لہ الجہر)

مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبد الحی لکھنوئی میں ایک سوال و جواب یوں ہے:۔

اِستِفتَاء اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اور آس پاس کے لوگ کسی وجہ سے کان لگا کر نہ سنیں یا دنیاوی کاموں میں پھنسے ہونے کی وجہ سے نہ سن سکیں تو کیا ایسی حالت میں پڑھنے والے کو چپکے پڑھنا لازم ہوگا یا نہیں؟ پہلی صورت میں اگر وہ چپکے نہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ھو المصوب۔ قرآن شریف کا سننا فرض ہے، اگر لوگ کاموں میں پھنسے ہوں اور قرآن شریف سننے کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں تو پڑھنے والوں کو چپکے سے پڑھنا چاہیئے، اور بلند آواز سے پڑھ کر حاضرین کو گنہگار نہ بنانا چاہیئے یکرہ رفع الصوت بقرأۃ القرآن عند المشتغلین لان فیہ منع غیرہ عن شغلہ (جو لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں اُن کے نزدیک بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں دوسرے کو اپنے کام سے روک دینا ہے) اور شرح تحفہ میں تمرتاشی سے منقول ہے لا یقرأ القرآن جھرًا عند المشتغلین بالاعمال لما فیہ من قطعھم عن الاعمال وترک الاستماع وفی المنھیۃ امرأۃ تغزل فی البیت لیس لاحد ان یقرأ القرآن عندھا جھرًا انتہیٰ ملخصاً (جو لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اُن کے پاس بآواز بلند قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیئے کیونکہ یا تو وہ اپنے کاموں میں مصروف رہیں گے اور قرآن نہ سنیں گے یا اپنا کام چھوڑ دیں گے اور

اور منہیہ میں ہے جو عورت گھر میں سوت کاتتی ہو اس کے پاس کسی کو باآواز بلند قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیے (
واللہ تعالیٰ اعلم حررہ الراجی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والخفی، اصاب من
اجاب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمۃ اللہ عفی عنہ (مجموعہ فتاویٰ ج ۱ ص ۴۳ و ۱۴۰)

امام کو بھی اس حد تک جہر کرنا چاہیے جس سے مقتدی سن سکیں اس سے زیادہ جہر کرنا مکروہ ہے
جس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ آگے آرہی ہے۔

تکبیرات عیدین

عیدین کی زائد تکبیروں کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہؒ کا اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زائد تکبیریں چھ ہیں (اور باقی ائمہ کرامؒ بارہ تکبیریں زائد مانتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کا یہ مقام نہیں ہے) امام قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ عیدین کی چھ سے زائد تکبیریں نہ ہوں کیونکہ۔

وھو قول اکثر الصحابۃؓ وبہ اخذ اصحابنا لان الجھر بالتکبیر بدعۃ فلا یوخذ الا بما اتفق علیہ الصحابۃؓ (قاضی خان ج ۱ ص ۸۸)

یہی اکثر حضرات صحابہ کرامؓ کا قول ہے اور اسی قول کو ہمارے فقہاء احنافؒ نے لیا ہے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے سو اسی چیز کو لیا جائیگا جس پر حضرات صحابہ کرامؓ (کی اکثریت) کا اتفاق ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں شرعاً جہراً تکبیر ثابت نہیں وہاں بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا بھی بدعت ہے اور ایسے مقام پر زائد تکبیروں کے ترک کرنے میں ہی احتیاط ہے تاکہ اس طریقہ سے بدعت زندہ نہ ہو اور امام علیؒ بن ابی بکرؒ بن عبد الجلیل المرغینانی الحنفیؒ المتوفی ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ ایام تشریق کی تکبیرات کے بارے فرماتے ہیں:

واخذ بقول ابن مسعودؓ اخذاً بالاقل لان الجھر بالتکبیر بدعۃ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۵)

امام صاحبؒ نے حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ کا قول لیا ہے کہ تکبیرات تشریق یوم النحر کی عصر تک ہی ہوں، اسلئے کہ اسمیں تکبیریں کم ہیں کیونکہ بلند آواز

سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی متعدد کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جہاں ثابت نہیں وہاں جہر بالتکبیر بدعت ہے یہ بات تو مخفی نہیں کہ اللہ اکبر کہنا خالص ذکر ہے مگر بے موقع اس کے جہر کو بھی حضرات فقہاء کرامؒ صراحۃً بدعت کہتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں۔

امام قاضیخانؒ پر اعتراض؛ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عیدین کی زائد تکبیریں تو احادیث سے ثابت ہیں۔ (گو وہ فرداً فرداً سب ضعیف ہیں اور یہ بحث یہاں کی نہیں ہے) اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے تو پھر ان کے بدعت ہونے کا کیا معنیٰ؟ کیونکہ جو چیز سُنّت سے ثابت ہو وہ بدعت کیسے ہوئی؟

اس کا جواب حضرات فقہاء کرامؒ کی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو چیز سُنّت اور بدعت میں دائر ہو یا بایں طور کہ ایک وجہ سے وہ سُنّت ثابت ہوتی ہے اور دوسری وجہ سے اس کا بدعت ہونا ثابت ہوتا ہے تو ایسے موقع پر سنت کو ترک کیا جائے گا تاکہ اس کی وجہ سے بدعت زندہ نہ ہو آپ غور فرمائیں کہ بدعت سے حضرات فقہاء کرامؒ کو کس قدر نفرت ہے کہ اس کے ڈر سے سنت بھی ترک کی جا رہی ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بين البدعة والسُّنّة يترك اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۹ طبع مصر)	اور جو چیز بدعت اور سنت میں دائر ہو اس کو ترک کیا جائے گا۔

اور علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

لانه اذا تردد الحكم بين سُنّة و بدعة كان ترك السُّنّة راجحا على فعل البدعة اھ (شامی ج ۱ ص ۶۰۰ طبع مصر)	کیونکہ جب حکم سُنّت اور بدعت میں دائر ہو تو سنّت کا ترک کرنا بدعت پر عمل کرنے سے راجح ہوگا۔

اس ضابطہ اور قاعدہ کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ نے زائد دنوں کی تکبیروں کو بدعت قرار دے کر ترک کر دیا ہے کیونکہ اللہ اکبر کہنا ذکر ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ بلند آواز سے ذکر کرنے کو بدعت بھی قرار دیتے ہیں اور نص قرآنی اُدْعُوا رَبَّكُمْ الآية کے مخالف بھی کہتے ہیں لہٰذا بدعت کا ثبوت قطعی دلیل سے ہے اور اس کے مقابلہ میں یا تو ظنی دلیل ہے یا بعض حضرات صحابہ کرامؓ کی غیر معصوم آراء ہیں تو اس وجہ سے بدعت کا ترک کرنا ضروری ہے تاکہ نہ تو نص قطعی کی مخالفت ہو اور نہ بدعت زندہ ہو بقول شخصے کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔

عید الفطر کے موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہنا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرات صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا آپس میں خاصا اختلاف ہے اور ان حضرات کے مسلک کے نقل کرنے میں فقہاء احناف کی عبارتیں بھی کافی حد تک مختلف ہیں کہ عید الفطر کی نماز پڑھنے کے لئے عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے یا آہستہ؛ حضرات صاحبین جہر سے تکبیر کہنے کے حق میں ہیں حضرت امام ابو حنیفہ کی ایک مشہور روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر نہیں ہونا چاہیئے اور دوسری روایت ان سے جواز کی ہے جیسا کہ حضرات صاحبین کا قول ہے ہم مسئلہ کی تنقیح کے لئے فقہاء احناف کی چند نقول عرض کرتے ہیں۔

(۱) علامہ حصکفی الحنفی لکھتے ہیں کہ:-

وقالا الجهر به سُنّة كالاضحٰى وهى رواية عنه ووجهها ظاهر قوله تعالٰى وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ووجه الاول ان رفع الصوت بالذكر بدعة فيقتصر على مورد الشرع اھ

(درمختار ج ۱ ص ۱۱۷ طبع مصر)

اور حضرات صاحبین کہتے ہیں کہ عید الاضحٰی کی طرح عید الفطر میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے اور امام صاحب کی بھی ایک روایت یہ ہے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ ظاہری ارشاد ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور پہلے قول (عدم جہر) کی وجہ یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر بدعت ہے پس یہ وہاں بند رہے گا جہاں شریعت کا حکم ہے۔

اس عبارت میں حضرت امام ابو حنیفہ کے اس قول کی کہ عید الفطر میں جہراً تکبیر نہ ہو دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور جس موقع پر جہراً ذکر ثابت ہے مثلاً عید الاضحٰی وغیرہ کے موقع پر تو یہ جہر وہیں تک محدود ہوگا۔ اس موقع سے آگے دوسرے مقام پر یہ حکم ثابت نہ کیا جائے گا اور دوسرے قول کی وجہ وہ ہے جو حضرات صاحبین نے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ الآیۃ سے پیش کی گئی ہے لیکن خود امام حصکفی اس دلیل پر مطمئن نظر نہیں آتے جیسا کہ وہ ظاہر قولہ الخ کا جملہ ارشاد فرما کر اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) در مختار کے اس جملہ فیقتصر علی مورد الشرع کی تشریح کرتے ہیں:۔

وھو ما فی البحر عن القُنیۃ التکبیر جھراً فی غیر ایام التشریق لا یُسَنُّ اِلّا بازاء العدو واللصوص وقاس علیہ بعضھم الحریق والمخاوف کلہا اھ زاد القھستانی او علا شرفا انتھٰی (شامی ج ۱ ص ۷۷۰ طبع مصر)

اور وہ جیسا کہ بحر الرائق میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں مگر دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض نے آگ لگنے اور باقی خطرات کے مواقع کو بھی قیاس کیا ہے امام قہستانیؒ نے یہ بات بھی زیادہ بیان کی ہے کہ جب بلندی پر چڑھے تب بھی بلند آواز سے تکبیر کہے۔

(۲) علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ

غیر مکبر جھراً فی الطریق بل مکبراً خفیۃً عند ابی حنیفۃ لان الاصل فی الثناء الاخفاء الا ما خصہ الشارع کیوم الاضحٰی وقالا یجھر بہ لان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان یرفع صوتہ بالتکبیر۔ (عینی شرح الکنز ص ۵۰)

راستہ میں بلند آواز سے تکبیر نہ کہے بلکہ آہستہ تکبیر کہے امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کیونکہ اصل ذکر و ثناء میں اخفاء ہے مگر جس کو شریعت نے مخصوص کیا ہو جیسا عید الاضحٰی کا دن اور حضرات صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہے اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔

(۳) امام علاؤالدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ (المتوفی ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ بہر حال عید الفطر میں امام صاحبؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر نہ کہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک۔

واما فی عید الفطر فلا یجھر بالتکبیر عند ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یجھر وذکر الطحاویؒ انہ یجھر فی العیدین جمیعاً واحتجوا بقولہ تعالٰی

بلند آواز سے تکبیر کہے اور امام طحاویؒ نے بیان فرمایا ہے کہ دونوں عیدوں میں جہر کرے اور انہوں نے اللہ تعالٰی کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالٰی کی

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وليس بعد اكمال العدة الا هذا التكبير ولابی حنیفةؒ ماروی عن ابن عباسؓ انه حمله قائده یوم الفطر فسمع الناس یکبرون فقال لقائده أكبَّر الامام قال لا قال أَفَجُنَّ الناس ولو كان الجهر بالتكبير سنة لم يكن لهذا الانكار معنى ولان الاصل فی الاذکار هو الاخفاء الا فيما ورد التخصيص فيه وقد ورد فی عید الاضحٰی فبقی الامر فی عید الفطر علی الاصل واما الآیة فقد قیل ان المراد منه صلوة العید علی ان الآیة تتعرض لاصل التکبیر وکلامنا فی وصف التکبیر من الجهر والاخفاء والآیة ساکتة عن ذالك انتہی (البدائع والصنائع جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰)

بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور گنتی پوری کرنے کے بعد یہی تکبیر باقی ہے اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے سے روایت ہے کہ ان کو ان کا قائد (جب کہ حضرت ابن عباسؓ نابینا ہو چکے تھے) عید الفطر کے دن، (عید گاہ) لے گیا تو انہوں نے سنا کہ لوگ تکبیر کہہ رہے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قائد سے فرمایا کیا امام نے تکبیر کہی ہے؟ وہ بولا نہیں فرمایا کیا پس لوگ پاگل ہو گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہوتی تو اس انکار کا کوئی معنیٰ نہیں اور اس لئے بھی کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے مگر جہاں تخصیص وارد ہوئی ہے اور عید الاضحیٰ میں اجازت وارد ہوئی ہے تو عید الفطر کا حکم اصل پر باقی رہے گا اور بہر حال آیت سے استدلال تو (تام نہیں کیونکہ) کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عید کی نماز ہے علاوہ ازیں اس آیت میں نفس تکبیر کا تذکرہ ہے اور ہمارا کلام تکبیر کی صفت جہر اور اخفاء کے بارے میں ہے اور یہ آیت اس وجہ سے بالکل ساکت ہے۔

امام کاسانیؒ کی اس عبارت میں یہ فوائد موتیوں کی طرح صاف طور پر چمک رہے ہیں۔

(ا) اگر عید الفطر کے موقع پر جہراً تکبیر سنت ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کے انکار کا کوئی معنیٰ نہیں۔

(ب) اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں جہاں جہر وارد ہوا ہے مثلاً عید الاضحیٰ میں تو وہ بات جدا ہے۔

(ج) حضرات صاحبینؒ نے جس آیت کریمہ سے عید الفطر کے موقع پر جہراً تکبیر پر استدلال کیا ہے اس

میں تقریب تام نہیں اور اس مسئلہ پر ان کا استدلال قطعی نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں جس تکبیر کا ذکر ہے اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد نماز عید کی زائد تکبیریں ہیں جو نماز کے اندر ہوتی ہیں۔ جب یہ احتمال اور تفسیر بھی موجود ہے تو پھر استدلال قطعی کیسے ہوا؟

(د) سب سے زیادہ وزنی بات امام کاسانیؒ نے اس عبارت میں یہ فرمادی کہ اختلاف نفس تکبیر کا نہیں ہے بلکہ جہر اور عدم جہر کا ہے اگر اس آیت کی صرف یہی تفسیر ہو کہ نماز سے خارج تکبیر کہنی چاہیئے تب بھی اس سے جہر تو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ آیت کریمہ تکبیر کے جہر اور ستر سے بالکل ساکت ہے یہ جہر اور ستر کی صفت اور دلائل سے ثابت ہوگی اور اس جہر کے ثبوت پر بعض حضرات صحابہ کرامؓ کا تعامل ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا انشاء اللہ العزیز اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال نص قرآنی سے ہے تو قطعی اور ظنی کا کیا تقابل؟

(۴) امام ابوبکر شمس الائمہ محمدؒ بن احمد السرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

ولان رفع الاصوات بالتکبیر فی ادبار الصلوٰت خلاف المعهود فلا یثبت الا بالیقین والیقین فیما اتفق علیه کبار الصحابةؓ اھ (المبسوط جلد ۲ ص ۴۳ طبع مصر)

اور اس لئے بھی کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا (سلفؒ کے) معہود طریقہ کے خلاف ہے پس یہ ثابت نہیں ہوسکتا مگر یقین سے اور یقین اسی چیز میں ہے جس پر حضرات صحابہ کرامؓ متفق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا سلف صالحینؒ کے ہاں معہود نہ تھا اور نہ یہ سنت معہودہ سے ثابت ہے اور ایسی غلاف معہود اشیاء کا ثبوت کسی موجب یقین دلیل ہی سے ہوسکتا ہے اور وہ اس مقام پر وہی ہے جس پر حضرات اکابر صحابہ کرامؓ متفق ہوں۔

(۵) علامہ ابن نجیم مصری الحنفیؒ اس پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وفی غایة البیان ان المراد من نفی التکبیر بصفة الجهر لان التکبیر خیر موضوع لاخلاف فی جوازه بصفة الاخفاء اھ وفی الخلاصة ما یخالفه قال ولا یکبر یوم الفطر

غایة البیان میں ہے کہ تکبیر کی نفی سے مراد یہ ہے کہ بصفت جہر نہ ہو کیونکہ نفس تکبیر تو بہترین عمل ہے اس کے اخفاء کے جواز میں تو کوئی اختلاف نہیں اور خلاصہ میں اس کے خلاف ہے صاحب خلاصہ نے کہا ہے کہ عید الفطر کے دن (امام صاحبؒ

وعندھما یکبر ویخافت واحدای الروایتین عن ابی حنیفة والاصح ماذکرنا انه لایکبر فی عید الفطر اھ فأفاد ان الخلاف فی اصله لافی صفته وان الاتفاق علی عدم الجهر به ورده فی فتح القدیر بانه لیس بشیٔ اذ لایمنع من ذکر الله تعالیٰ بسائر الالفاظ فی شیٔ من الاوقات بل من ایقاعه علیٰ وجه البدعة فقال ابوحنیفةؒ رفع الصوت بالذکر بدعة ویخالف الامر من قوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ فیقتصر علیٰ مورد الشرع وقد ورد به فی الاضحیٰ وهو قوله تعالیٰ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي اَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ جاء فی التفسیر ان المراد التکبیر فی هذه الایام اھ وهو مردود لان صاحب الخلاصة اعلم بالخلاف منه ولان ذکر الله تعالیٰ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت اوبشیٔ دون شیٔ لم یکن مشروعًا حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع وکلامهم انما هو

کے نزدیک تکبیر نہ کہے اور صاحبینؒ کے نزدیک آہستہ تکبیر کہے اور امام صاحبؒ کی بھی دو روایتوں میں سے ایک اسی طرح ہے اور صحیح تر بات وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ عید الفطر کے موقع پر تکبیر نہ کہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اختلاف نفس تکبیر میں ہے نہ کہ اس کی صفت میں اور یہ کہ عدم جہر پر اتفاق ہے اور فتح القدیر میں اس کو رد کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ کوئی شئی نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ذکر سے جن الفاظ سے بھی ہو کسی وقت منع نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس وقت منع کیا جائے گا جب کہ اس کو بدعت کے طور پر واقع کیا جائے سو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تو اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے کر اور جہر سے کم بول کر بس یہ مورد شرع پر بند ہوگا اور عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ وارد ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ذکر کرو تم اللہ تعالیٰ کا گنتی کے دنوں میں اس کی تفسیر میں یہ آیا ہے کہ اس سے ان دنوں کی تکبیر مراد ہے لیکن صاحب فتح القدیر کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صاحب خلاصہ اختلاف کو ان سے بہتر جانتے ہیں اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جب کسی خاص وقت یا کسی خاص صفت کے ساتھ قصدًا مخصوص کر لیا جائے جہاں

فيما خص يوم الفطر بالتكبير ولهذا قال في غاية البيان من باب المهر عند ذكر المتعة وقوله فلا يكبر في طريق المصلى عند ابي حنيفة اي حكما للعيد ولكن لو كبر لانه ذكر الله تعالى يجوز ويستحب اھ فالحاصل ان الجهر بالتكبير بدعة في كل وقت الا في المواضع المستثناة وصرح قاضيخان في فتاواه بكراهة الذكر جهرا وتبعه على ذالك صاحب المستصفى وفي الفتاوى العلامية وتمنع الصوفية من رفع الصوت والصفق وصرح بحرمته العيني في شرح التحفة وشنع على من يفعله مدعيا انه من الصوفية واستثنى من ذلك في القنية ما يفعله الائمة في زماننا فقال امام يعتاد في كل غداة مع جماعة قرأة آية الكرسي وآخر البقرة وشهد الله ونحوه جهرا لا بأس به والافضل الاخفاء ثم قال التكبير جهرا في غير ايام التشريق لا يسن الا بازاء العدو واللصوص وقاس عليه بعضهم الحريق والمخاوف كلها ثم رقم رقم آخر قاص وعنده جمع كثير يرفعون اصواتهم بالتهليل والتسبيح جملة لا بأس به والاخفاء افضل ولو اجتمعوا

شریعت کا حکم وارد نہیں ہوا تو مشروع نہ ہوگا کیونکہ یہ مشروع کے خلاف ہے اور ان حضرات کی گفتگو بھی مخصوص طور پر عید الفطر کی تکبیر کے بارے میں ہے اور اسی لئے غایۃ البیان میں مہر کے باب میں متعہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک عید کا حکم سمجھ کر عیدگاہ کے راستے میں تکبیر نہ کہے لیکن اگر اس لئے تکبیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے تو جائز اور مستحب ہے الخ پس حاصل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا تمام اوقات میں بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں استثنار آئی ہے امام قاضیخانؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے اور صاحب مستصفیٰ نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور فتاویٰ علامیہ میں ہے کہ صوفیار کو آواز بلند کرنے اور تالیاں بجانے سے منع کیا جائیگا اور علامہ عینیؒ نے شرح تحفہ میں اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور ایسی کارروائی کرنے والوں کی بہت برائی بیان کی ہے جو صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قنیہ میں اس سے اس کارروائی کو مستثنیٰ کیا ہے جس کو ہمارے زمانے کے امام کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی امام ہو جس کی یہ عادت ہو کہ صبح اپنے مقتدیوں کی جماعت کے ساتھ مل کر آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کا آخری حصہ اور شہد اللہ الآیۃ وغیرہا جہر سے پڑھتا ہے تو اس میں

فی ذکر اللّٰہ والتسبیح والتہلیل یخفون و الاخفاء افضل عند الفزع فی السفینۃ او ملاعبتھم بالسیوف وکذا الصلوٰۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اھ واما التکبیر خفیۃ فان قصد بہ ان یکون لاجل یوم الفطر فھو مکروہ ایضاً والا فھو مستحب ولو کان یوم الفطر انتھٰی۔

(البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ طبع مصر)

کوئی مضائقہ نہیں ہاں افضل آہستہ پڑھنا ہے پھر فرمایا کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون نہیں ہاں مگر دشمنوں اور چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض نے آگ لگنے اور اسی قسم کے دیگر تمام خطرات کو قیاس کیا ہے پھر اس کے بعد ایک اور بات یہ لکھی کہ کوئی واعظ ہے جس کے پاس بڑی جماعت ہے جو مل کر تہلیل و تسبیح کے لئے آواز بلند کرتے ہیں تو اس کا بھی کوئی حرج نہیں ہاں اخفاء افضل ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح اور تہلیل کے لئے جمع ہوں تو پھر آہستہ پڑھیں اور کشتی میں گھبراہٹ کے وقت اور اپنی تلواروں کے ساتھ کھیلتے وقت بھی اور اسی طرح درود شریف پڑھتے وقت آواز پست کرنا افضل ہے اھ بہر حال آہستہ تکبیر یوم الفطر کی وجہ سے کہے تو بھی مکروہ ہے ورنہ مستحب ہے اگرچہ وہ عید الفطر کا دن ہی کیوں نہ ہو، (کیونکہ اس میں تخصیص وقت دون وقت ہے)۔

اس عبارت میں بے شمار فقہی مسائل اور فوائد ہیں چند فوائد کا ہم اختصاراً تذکرہ کرتے ہیں غور فرمائیں :-

(الف) نفس تکبیر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور وہ ہر وقت مقصود و مطلوب ہے اور اس کے آہستہ پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(ب) حضرت امام ابو حنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کرنے کو بدعت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے

خلاف سمجھتے ہیں۔

(ج) اگرچہ ذکر اللہ تعالےٰ کی عبادت ہے لیکن اس میں بھی اگر اپنی طرف سے کسی وقت کی تخصیص کر لی جائے یا کسی وجہ اور صفت (مثلاً جہراً پڑھنے) کی تخصیص کر لی جائے جہاں شرع کی اجازت اور حکم نہیں تو یہ غیر مشروع ہوگا۔

(د) عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنے کا چونکہ حکم شرعاً آیا ہے اور اس میں حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف بھی نہیں اس لئے اس میں کوئی کلام نہیں ہاں البتہ عید الفطر کے دن ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے آہستہ ذکر حضرت امامؒ صاحب کے نزدیک بھی جائز اور مستحب ہے لیکن محض ذکر اللہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ یوم الفطر کی خاطر۔

(ہ) خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں شریعت نے ذکر بالجہر کو مستثنیٰ کیا ہے وہاں جہراً ذکر کرنا ہوگا۔ اور جہاں استثنار ثابت نہیں وہاں ذکر بالجہر بدعت ہے چنانچہ قاضیخان وغیرہ میں کراہت کی تصریح موجود ہے۔

(و) صوفیار جو ذکر کے وقت آواز بلند کرتے ہیں اور وجد میں آکر اچھلتے کودتے ہیں اور خوشی میں آکر تالیاں بجاتے ہیں ان کو اس کاروائی سے شرعاً منع کیا جائے گا اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور ایسے صوفیار کی بہت برائی اور قباحت بیان کی ہے۔

(ز) امام زاہدیؒ (صاحب قُنیہ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض ائمہ صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کی جماعت سے مل کر آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کا آخری حصہ اور شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ الآیۃ وغیرہا بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

(نوٹ) صاحب قُنیہ کی مراد اگر یہ ہے کہ تعلیم کے طور پر امام یہ دعائیں پڑھے اور مقتدی بھی ساتھ پڑھتے جائیں تاکہ ان کو یہ یاد ہو جائیں بشرطیکہ نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو تو یہ صحیح ہے لیکن جب دعائیں یاد ہو جائیں تو پھر ترک کر دیں اور اگر ان کی مراد عام ہے تو دیگر مستند فقہاء احنافؒ کی عبارتیں اس کی تائید نہیں کرتیں چنانچہ امام حافظ الدین الکردری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

المذكران دعا دعاء المأثور جهرًا و جهر معه القوم ايضًا ليتعلموا الدعاء لا بأس به واذا تعلموا حينئذٍ يكون جهر القوم بدعة (فتاوىٰ بزازیہ ج ۳ ص ۳۷۷ علی ھامش الھندیۃ طبع مصر)

یاد کرانے والے (یعنی امام) نے اگر اس ارادہ سے ماثور دعا بلند آواز سے کی تاکہ لوگ دعا سیکھ لیں اور لوگوں نے بھی ساتھ جہر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن سیکھ چکنے کے بعد قوم کا جہر کرنا بدعت ہوگا۔

یہ عبارت بزازیہ کے حوالہ سے فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۳ طبع مصر میں بھی منقول ہے۔ اس صریح عبارت سے معلوم ہوا کہ جب قوم دعائیں یاد کر چکی تو پھر ان کے لئے جہر سے دعا کرنا بدعت ہے جہر کا جواز صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو دعائیں یاد نہ ہوئی ہوں اور اب تو جہر سے ذکر اور دعائیں کرنے والے جہر کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہ بدعت ہے چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدریؒ الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاجؒ (المتوفی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فان حصل التعليم امسك وهذا بخلاف ما يعهد اليوم من القرأة والذكر جهرًا وجماعةً فانهم لا يريدون التعليم بل الثواب اھ (المدخل ج ۱ ص ۱۰۹ طبع مصر)

جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر سے رک جائے اور یہ اس کارروائی کے خلاف ہے جو آج کل لوگ بلند آواز سے اور جماعتی شکل میں تلاوت اور ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ تعلیم کا نہیں بلکہ ثواب کا ارادہ کرتے ہیں۔

(ح) ایام تشریق (جن کی بقدر ضرورت بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز) کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے البتہ دشمنوں اور چوروں کے مقابلہ میں یا مکان دوکان اور کارخانہ وغیرہ کو آگ لگ جائے تو اس موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہنا درست ہے کیونکہ اس میں اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کرنا اور اس کی امداد چاہنا ہے اور بالتبع عالم اسباب کے پیش نظر لوگوں کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرانا ہے تاکہ وہ بھی امداد و تعاون کو پہنچیں بجائے اس کے کہ مسلمان اپنی زبان سے دوسرے الفاظ کے ساتھ واویلا کرے کیوں نہ ہو کہ اللہ اکبر کی صدا بلند کرے اور اس موقع پر بھی اس کا دل اور زبان اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو اور اپنے رب حقیقی سے بدحواسی کے موقع پر بھی تعلق منقطع نہ ہو اور اس کی لو اپنے مولیٰ سے لگی رہے۔

(ط) لیکن اگر آپس میں تلواروں (یا دیگر ہتھیاروں) سے کھیل رہے ہوں یا کشتی کے غرقاب ہونے

کا خطرہ درپیش ہو تو اس موقع پر آہستہ تکبیر کہنا بہتر ہے کیونکہ عادۃً دریا میں کشتی والوں کی مدد کے لئے بجز پروردگار کے اور کون پہنچ سکتا ہے؟ اور وہ تو آہستہ بلکہ آہستہ تر آواز کو بھی سنتا ہے تو آہستہ ہی بہتر ہے کیونکہ وہاں امداد کے لئے لوگوں کے آملنے کا بظاہر امکان ہی نہیں بخلاف خشکی کے اور ہتھیاروں کے ساتھ کھیلتے وقت اس لئے بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے کہ ممکن ہے کوئی سطحی قسم کا مغلوب الغضب جلد باز عصبیت کا شکار ہو کر کھیل کو حقیقۃً لڑائی سمجھ کر کسی فریق پر حملہ آور نہ ہو جائے اور خواہ مخواہ فتنہ کی آگ کو فروغ نہ ہو اور یوں ہی بلا تحقیق اپنی عاقبت نہ برباد کر بیٹھے اور نیز ایام جنگ میں محاذ کے قریب مشقی جنگ کو عوام نعرۂ تکبیر سن کر سچ مچ دشمن کے حملے کا وہم ہی نہ کرلیں اور خواہ مخواہ عوام کو پریشانی لاحق نہ ہو اس لئے آواز بلند کرنا بہتر نہیں۔

(ی) اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود شریف بھی آہستہ پڑھنی افضل ہے اور اس کی وجہ سلف صالحینؒ کی کمال اتباع ہے اور نجات اسی میں ہے اس کے بارے کچھ اور ضروری عبارتیں اسی کتاب میں مذکور ہیں۔

(ک) اگر کوئی مقرر اور واعظ پند و نصیحت اور عبرت کے لئے صحیح قصے بیان کر رہا ہو اور اس کی زبان سے اللہ تعالےٰ نے کوئی مؤثر اور بلیغ بات نکلوا دی تو حاضرین مجلس اگر داد دیتے ہوئے بے ساختہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وغیرہ کلمہ یک زبان ہو کر کہہ دیں (جیسا کہ آج کل قاریوں کی قرأت سے متاثر ہو کر یا کسی شعلہ بیان مقرر کی تقریر میں ایسا کرتے ہیں) تو اس میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں اور قاص وعندہ جمع کثیر الخ میں اسی کا تذکرہ ہے۔

(ل) اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ اگر جمع ہو کر ذکر کرنا چاہیں تو ذکر آہستہ کریں اور اسی طرح تسبیح و تہلیل بھی آہستہ کہیں کیونکہ ذکر کا اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو تو بلا کسی شرعی جواز کے جہراً ذکر نہ کریں۔

(م) عید الفطر کے موقع پر بتحقیق علامہ ابن نجیمؒ اگر آہستہ تکبیر ذکر کے طور پر کرتا ہے تو جائز و مستحب ہے لیکن اگر عید الفطر کی خصوصیت کی وجہ سے کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی وقت سے مختص نہیں پھر یہ کیوں تخصیص پیدا کرتا اور سمجھتا ہے؟

فائدہ :- ایک ہی چیز کا حکم قصد اور نیت کے بدلنے سے بدل جاتا ہے مثلاً حائضہ نفساء

اور جنبی شخص قرآن کریم کی آیت یا اس سے کم (علی اختلاف اقوال الفقہاءؒ) تلاوت کے قصد سے پڑہیں تو جائز نہیں اور اگر دعا کے طور پر پڑھیں تو جائز ہے۔ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۳۰ طبع مجتبائی دہلی) یا مثلاً نماز جنازہ میں اگر سورۂ فاتحہ بطور قرأت و تلاوت پڑھی جائے تو درست نہیں اور اگر بہ نیت دعا پڑھی جائے تو جائز ہے (خانیہ ج ۲ ص ۳۲۳ طبع نولکشور و غنیۃ المستملی ص ۵۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے امور میں جن کی اصل شرع سے ثابت ہے (نہ کہ بدعات و اختراعات میں) نیت کا جواز و عدم جواز میں دخل ہے۔

(۶) علامہ شامیؒ امام ابن نجیم مصریؒ کے قول وھو مردود الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:-

قوله وھو مردود یقال علیہ ان الامام المحقق له علم بالخلاف ایضا وفی البدائع واما فی عید الفطر فلا یکبر جهراً فی قول ابی حنیفةؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یجهراه وکذا فی السراج الوهاج والتتارخانیة ومواهب الرحمٰن ودرر البحار وقال فی النھر غیر مکبر ای جهراً وھذا روایة المعلی عن الامام وروی الطحاویؒ عن ابن ابی عمران البغدادی عن الامام انه یکبر جهراً وھو قولهما واختلف المشائخ فی الترجیح فقال الرازی الصحیح من قول اصحابنا مارواه ابن ابی عمرانؒ وما رواه المعلی لم یعرف عنه و فی الخلاصة الاصح مارواه المعلی کذا فی الدرایة قال الرازی وعلیه

ان کا یہ قول اور وہ مردود ہے اس پر کہا جا سکتا ہے کہ امام محقق ابن الہمامؒ کو بھی اختلاف کا علم ہے اور بدائع میں ہے اور بہر حال عید الفطر میں پس امام صاحبؒ کے قول کے مطابق بلند آواز سے تکبیر نہ کہے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کہے اھ اور اسی طرح السراج الوہاج اور تتارخانیہ اور مواہب الرحمٰن اور درر البحار میں ہے اور نہر (الفائق) میں ہے کہ جہر سے تکبیر نہ کہے اور معلیٰؒ کی امام صاحبؒ سے یہی روایت ہے۔ اور امام طحاویؒ نے ابن ابی عمران البغدادیؒ سے اور انہوں نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے اور مشائخ نے ترجیح میں اختلاف کیا ہے سو امام (ابوبکر الجصاص) رازیؒ نے کہا ہے کہ ہمارے احنافؒ کے قول سے صحیح وہی ہے جو ابن ابی عمرانؒ نے روایت کیا ہے باقی معلیٰؒ

مشائخنا بما وراء النهر فالخلاف فی الجهر وعدمہ کما صرح بہ فی التجنیس وعلیہ جرای فی غایۃ البیان والشرح اھ وکذا جری علیہ فی مختارات النوازل وشراح الھدایۃ وعزاہ فی النہایۃ الی المبسوط وتحفۃ الفقہاء وزاد الفقہاء انتہٰی۔ (منحۃ الخالق علی بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹)

نے امام صاحبؒ سے جو روایت کی ہے وہ معروف نہیں اور خلاصہ میں ہے کہ صحیح ترین وہ بات ہے جو معلیؒ نے روایت کی ہے اسی طرح درایہ میں ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ نہر (جیحون) کے اس پار رہنے والے ہمارے مشائخ اسی پر ہیں پس اختلاف جہر اور عدم جہر میں ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اور اسی پر غایۃ البیان اور اس کی شرح میں صاد کیا ہے اور اسی پر مختارات النوازل اور ہدایہ کے شراح ہیں اور نہایہ میں اس کو مبسوط اور تحفۃ الفقہاء اور زاد الفقہاء کی طرف منسوب کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامیؒ وغیرہ نے امام ابوبکر احمدؒ بن علی الجصاصؒ الرازی الحنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے ہم بعینہا اس کو نقل کردیں تاکہ بات واضح ہوجائے وہ لکھتے ہیں کہ:

فروی المعلی عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃؒ قال یکبر الذی یذھب الی العید یوم الاضحٰی ویجھر بالتکبیر ولا یکبر یوم الفطر ولیس فیہ شیٔ مؤقت لقولہ تعالیٰ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ قال عمرو وسالت محمدًا عن التکبیر فی العیدین فقال نعم وھو قولنا وقال الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃؒ ان التکبیر فی العیدین لیس بواجب فی الطریق ولا فی المصلّٰی وانما التکبیر

معلیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے طریق سے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص عید الاضحٰی کے دن عید کی (نماز کی) طرف جائے تو بلند آواز سے تکبیر کہے اور عید الفطر کے دن نہ کہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یوم الاضحٰی اور یوم الفطر دونوں میں تکبیر کہے اور اس میں کوئی چیز متعین اور مقرر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور عمروؒ نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ سے عیدین کے دن تکبیر

الواجب فی صلوٰۃ العید و ذکر الطحاوی ان ابن ابی عمران کان یحکی عن اصحابنا جمیعًا ان السنۃ عندھم فی یوم الفطر ان یکبروا فی الطریق الی المصلّٰی حتّٰی یأتوہ ولم نکن نعرف ماحکاہ المعلّٰی عنھم اھ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۶۳ و ص ۲۶۴ طبع مصر)

کے بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں کہنی چاہیئے اور یہی ہمارا قول ہے اور امام حسنؒ بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ عیدین میں راستہ میں اور اسی طرح عید گاہ میں تکبیر واجب نہیں ہے تکبیر تو عید کی نماز میں واجب ہے اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ابن ابی عمرانؒ ہمارے سب اصحابؒ (امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ وغیرہم) سے یہ حکایت کرتے ہیں کہ عید الفطر کے دن ان سب کے نزدیک سنّت یہ ہے کہ عید گاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر کہیں یہاں تک کہ عید گاہ پہنچ جائیں اور جو چیز معلیؒ نے ان سے روایت کی ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔

علامہ شرنبلالی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے مُکبّرًا سِرًّا (نور الایضاح ص ۱۱۹) یعنی آہستہ آہستہ تکبیر کہے اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال علیہ السلام خیر الذکر الخفی وخیر الرزق مایکفی وعندھما جھرًا وھو روایۃ عن الامام وکان ابن عمر یرفع صوتہ بالتکبیر۔ (ص ۲۹ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضرورت میں کفایت کرے اور صاحبینؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے اور امام ابو حنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

(۷) علامہ سیّد احمد طحطاوی المصری الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) مکبّرًا سرًّا کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال الطحاوی ذکر ابن ابی عمران عن اصحابنا جمیعًا ان السُّنّۃ عندھم

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ابن ابی عمرانؒ نے ہمارے تمام اکابر اصحابؒ کے حوالہ سے بیان کیا کہ عید الفطر

یوم الفطر ان یکبر فی طریق المصلی وھو الصحیح لقولہ تعالیٰ ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم وعندھما جھرًا قال الحلبی الذی ینبغی ان یکون الخلاف فی استحباب الجھر وعدمہ لا فی کراھتہ وعدمھا فعندھما یستحب وعندہ الاخفاء افضل وذٰلک لان الجھر قد نقل عن کثیر من السلف کابن عمرؓ وعلیؓ وابی امامۃ الباھلیؓ والنخعیؒ وابن جبیرؒ وعمرؒ بن عبد العزیزؒ وابن ابی لیلےؒ وابانؒ بن عثمانؒ والحکمؒ وحمادؒ ومالکؒ والشافعیؒ واحمدؒ وابو ثورؒ کما ذکرہ ابن المنذرؒ فی الاشراف اھ (طحطاوی ص۲۹۰ طبع مصر)

کے دن ان کے نزدیک سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر کہی جائے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم اللہ تعالےٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک بلند آواز سے کہے حلبیؒ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ اختلاف استحباب جہر اور عدم جہر میں ہو نہ یہ کہ کراہت اور عدم کراہت میں پس صاحبینؒ کے نزدیک جہر مستحب ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک اخفاء افضل ہے اور جہر کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت سے سلفؒ سے منقول ہے جیسے حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوامامہ الباہلیؓ، اور حضرت نخعیؒ، ابن جبیرؒ، عمرؒ بن عبدالعزیزؒ، ابن ابی لیلےؒ، ابانؒ بن عثمانؒ، حکمؒ، حمادؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ابو ثورؒ وغیرہ جیسا کہ امام ابن المنذرؒ نے اپنی کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے۔

فائدہ: طحطاوی میں کتابت کی غلطی سے بجائے الاشراف کے الاشراق لکھا گیا ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذرؒ (المتوفی ۳۱۸ھ) کی کتاب کا نام کتاب الاشراف فی اختلاف العلماء ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۴ للعلامۃ شمس الدین الذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ) پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

قولہ وکان ابن عمرؓ یرفع صوتہ بالتکبیر اجیب عنہ من طرف الامام بانہ قول صحابی فلا یعارض بہ عموم الآیۃ القطعیۃ اعنی قولہ تعالےٰ واذکر

ان کے اس قول کا کہ حضرت ابن عمرؓ تکبیر کے وقت آواز بلند کرتے تھے امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ صحابی کا قول ہے اور اس کو قرآن کریم کی اس قطعی عام آیت کے معارضہ میں

رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الآیۃ) (طحطاوی ص۲۹۰)

نہیں پیش کیا جا سکتا اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اور ذکر کر تو اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کے ساتھ۔

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف عیدالفطر کے دن عیدگاہ تک جاتے ہوئے تکبیر بالجہر اور بالسر میں ہے امام صاحبؒ مشہور روایت کے مطابق جہر کے قائل نہیں اور مشہور روایت کے پیش نظر ان کا استدلال آیت کریمہ سے ہے اور حضرات صاحبینؒ جہراً تکبیر کے قائل ہیں اور حضرت امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے اور ان کا استدلال حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کے عمل سے ہے جن حضرات نے حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا مطلق ذکر کے جہر اور سر کے بارے بیان اور نقل کیا ہے ان کی رائے صحیح نہیں ہے نزاع صرف عیدالفطر کی تکبیر کا ہے۔

کبیری

مؤلف ذکر بالجہر کو ہم سے شکوہ ہے کہ ہم نے راہ سنت میں کبیری کی پوری عبارت نقل نہیں کی (ملاحظہ ہو ذکر بالجہر ص۶۲ تا ۶۶) لیجئے ہم پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں اور اس کے علاوہ کبیری ہی سے اور عبارات بھی نقل کر دیتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے کہ کبیری کی عبارات ان کی تائید کرتی ہیں یا ہماری، علامہ ابراہیم حلبی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ویستحب التکبیر جهرًا فی طریق المصلی یوم الاضحٰی اتفاقًا بالاجماع واما یوم الفطر فقال ابو حنیفةؒ لا یجهر به وقالا یجهر وعن ابی حنیفةؒ کقولهما لقوله تعالٰے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وروى الدارقطنی عن سالم ان عبد اللهؓ بن عمرؓ اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم کان یکبر فی

عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کے راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہنے کے استحباب پر اتفاق و اجماع ہے بہرحال عیدالفطر کے دن تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہی جائے اور امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کر لو اور تاکہ تم اللہ تعالےٰ کی بڑائی بیان کرو۔

الفطر من حين يخرج من بيته حتّٰی
يأتي المصلى ولابي حنيفة ان رفع الصوت
بالذكر بدعة مخالف للامر في قوله
تعالى وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا
وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ الا ما خصّ بالاجماع
والجواب عما استدلا به اما الآية فبانها
يحتمل ان يراد بها التكبير في الصلوٰة
او يراد بها نفس الصلوٰة والتكبير
بمعنى التعظيم على انها لا دلالة
فيها على الجهر واما الحديث فانه
ضعيف بموسى بن محمد بن عطاء
ابي الطاهر المقدسي ثم ليس فيه ايضاً
ما يدل على انه يجهر به نعم روى
الدارقطني موقوفا عن نافع ان ابن عمرؓ
كان اذا غدا يوم الفطر ويوم الاضحى
يجهر بالتكبير حتّٰی يأتي المصلى ثم
يكبر حتّٰی يأتي الامام وقال البيهقي
الصحيح وقفه على ابن عمرؓ وهو قول
صحابي قد عارضه قول صحابي آخر
روى ابن المنذر عن ابن عباسؓ انه
سمع الناس يكبرون فقال لقائده
أكبّر الامام قيل لا قال افجنّ الناس
ادركنا مثل هذا اليوم مع النبي صلى

اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور
دار قطنیؒ نے سالمؒ کے طریق سے روایت کی
ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں جب گھر
سے نکلتے تو عیدگاہ تک تکبیر کہتے رہتے اور امام
ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت
اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے کہ
اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے
ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم مگر اس جگہ جہاں اجماع
سے خصوصیت ثابت ہو باقی جس آیت کریمہ
سے صاحبینؒ نے استدلال کیا ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ احتمال ہے کہ اس تکبیر سے نماز کے اندر
کی تکبیر مراد ہو یا اس سے نفس نماز مراد ہو کیونکہ
تکبیر کے معنی تعظیم کے آتے ہیں علاوہ ازیں اس
آیت میں جہر پر کوئی دلالت نہیں بہر حال حدیث
تو وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں
موسیٰ بن محمد بن عطاء ابو طاہر المقدسی ہے
(جو ضعیف ہے بلکہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا
لسان المیزان ج ۶ ص ۱۲۷) پھر اس حدیث میں
جہر پر کوئی دلیل نہیں ہے ہاں دار قطنیؒ نے
بطریق نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے موقوفاً یہ روایت
کی ہے کہ وہ جب عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں
عیدگاہ کی طرف چلتے تو تکبیر کہتے یہاں تک کہ

الله علیه وسلم فما کان احد یکبر قبل
الامام فیبقی مفاد الآیة بلا معارض
علی ان قول الصحابی لا یعارضه هذا
والذی ینبغی ان یکون الخلاف فی استحباب
الجهر وعدمه لا فی کراهیته وعدمها
فعندهما یستحب وعنده الاخفاء افضل
وذلك لان الجهر قد نقل عن کثیر من
السلف کابن عمرؓ وعلیؓ وابی امامة
الباهلیؓ والنخعیؒ وابن جبیرؒ وعمرؒ بن عبدالعزیزؒ
وابن ابی لیلیٰؒ وابانؒ بن عثمانؒ والحکمؒ و
حمادؒ ومالكؒ واحمدؒ وابی ثورؒ ومثله
عن الشافعیؒ ذکره ابن المنذرؒ فی الاشراف
وقال الفقیه ابوجعفر والذی عندنا
انه لا ینبغی ان تمنع العامة عن ذلك
لقلة رغبتهم فی الخیرات وبه ناخذ
یعنی انهم اذا منعوا عن الجهر به لا
یفعلونه سرًا فینقطعون عن الخیر
بخلاف العالم الذی یعلم ان الاسرار
هو الافضل۔
(کبیری صـ ۵۲۵ طبع دیوبند)

امام تک جا پہنچتے اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں
کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمرؓ پر موقوف
ہے اور یہ صحابی کا قول ہے اور اس کے مقابل
ایک اور صحابی کا قول ہے چنانچہ ابن المنذرؒ نے
حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انہوں
نے لوگوں کو تکبیر کہتے سُنا تو اپنے قائد سے فرمایا
کیا امام نے تکبیر کہی ہے؟ وہ بولا نہیں تو
فرمایا کیا پس لوگ پاگل ہوگئے ہیں ہم نے یہ
دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایا مگر
کوئی بھی امام سے پہلے تکبیر نہیں کہتا تھا پس آیت
کا مفاد بلا معارضہ رہ گیا علاوہ ازیں صحابی کے
قول کا آیت کے معارضہ میں پیش کرنے کا کیا معنیٰ؟
اس کو مضبوطی سے پکڑو اور مناسب بات یہ ہے
کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف استحباب جہر
اور عدم استحباب جہر میں ہو نہ اس کے مکروہ اور
نہ مکروہ ہونے کے بارے میں سو صاحبینؒ کے نزدیک
جہر مستحب ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک
آہستہ پڑھنا افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جہر
بہت سے سلفؒ سے منقول ہے مثلاً حضرت
ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوامامہ الباہلیؓ، امام
نخعیؒ، ابن جبیرؒ، عمرؒ بن عبدالعزیزؒ، ابن ابی لیلےٰؒ
ابانؒ بن عثمانؒ، حکمؒ، حمادؒ، مالکؒ، احمدؒ، ابوثورؒ
اور اسی طرح امام شافعیؒ سے مروی ہے جیسا کہ

ابن المنذرؒ نے الاشراف میں ذکر کیا ہے اور
فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مناسب
نہیں کہ عام لوگوں کو اس سے منع کیا جائے کیونکہ
ان کی رغبت نیکیوں میں ایسے ہی کم ہوتی ہے اور
اسی قول کو ہم لیتے ہیں یعنی جب ان کو جہر سے منع
کیا جائے تو آہستہ بھی تکبیر نہیں کہیں گے تو وہ خیر
سے رک جائیں گے بخلاف عالم کے جو یہ جانتا ہے
کہ آہستہ تکبیر کہنا ہی افضل ہے۔

اس ساری عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جن مواقع پر شرعاً جہر ثابت نہیں ان مواقع پر جہر تکبیر اور بلند آواز سے ذکر کو بدعت کہتے ہیں اور ہم نے حضرت امام صاحبؒ کا جو مسلک راہ سنت میں نقل کیا ہے اس ساری عبارت کے نقل کرنے کے بعد بھی وہ وہی رہا ہے اور اس میں سرِ مُو تفاوت نہیں ہوا جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے، اس عبارت سے اصولاً جو کچھ ثابت ہوا ہے اس کا یوں تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کہنا شرعاً ثابت ہے اس لئے بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے۔

(۲) عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے کے بارے حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا آپس میں اختلاف ہے حضرت امام صاحبؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر نہیں کہنی چاہیئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے اور اسی کو امام رازیؒ نے ترجیح دی ہے کما مر اور حضرات صاحبینؒ کا یہی مسلک ہے، حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا یہ اختلاف تکبیرات عیدین کے بارے میں نہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر نے یہ لکھ کر کم فہمی کا ثبوت دیا ہے کہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں عیدین کی تکبیرات کو سراً کہے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ تکبیرات کو جہراً کہے اھ (ص۶۱)

(۳) عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کہنے اور نہ کہنے کے سلسلہ میں حضرت

امام صاحبؒ سے حضرات فقہاء احنافؒ نے دو قول نقل کئے ہیں ایکؒ یہ کہ عید الفطر کی خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر سرے سے تکبیر نہ کہے کیونکہ ذکر بوجب کسی وقت سے مخصوص کر دیا جائے گا تو صحیح ہوگا بلکہ مکروہ اور بدعت ہوگی ہاں محض ذکر کے طور پر کہے تو درست ہے بحر الرائق اور خلاصۃ الفتاوی وغیرہ کی عبارات میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ ذکر تو ہو لیکن جہراً نہ ہو اور حضرات صاحبینؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہراً ہو والذی ینبغی ان یکون الخلاف الخ میں علامہ حلبیؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی کو علامہ شامیؒ نے یوں تعبیر کیا ہے والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراھیۃ فمنتفیۃ عن الطرفین (شامی ج ۲ ص ۱۷۷) اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے اور کراہت دونوں کے نزدیک نہیں ہے یہ کراہت صرف عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے سے منتفی ہے اس سے عام ذکر کا جہر سمجھنا یا دیگر غیر مستثنیٰ مقامات میں تکبیر کا جہراً جواز سمجھنا جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر کا عندیہ ہے اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے یہ دلائل کے رو سے قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی وقعت نہیں اور عید الفطر کی اس تکبیر کو نہ تو ہم نے بدعت کہا ہے اور نہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اسے راجح روایت کے رُو سے مکروہ کہا ہے مؤلف ذکر بالجہر کا اس کے نتیجہ میں یہ لکھنا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جہر مباح ہے اور آپ اسے حرام و مکروہ سے کم نہیں کہتے اب بتلائیے کہ مسلک حنفی کو ہم نے چھوڑا یا آپ نے ؟ (بلفظہٖ ص ۶۳) سو گذارش ہے کہ مسلک حنفی کو آپ لوگوں نے ہی چھوڑا ہے اور اس کی آپ ہی کو توفیق ہوئی ہے بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے نہ تو دیگر نزاعی مسائل میں حضرت امام صاحبؒ کا مسلک چھوڑا ہے اور نہ اس مسئلہ میں جیسا کہ اس کتاب کو پڑھنے والے حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں ہم تو آپ لوگوں کی مصنوعی حنفیت پر ماتم کناں ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ اور فقہ حنفی کی صریح عبارات کا کھلے بندوں رد کرتے اور ان کے بالکل برعکس چلنے سے بھی آپ لوگوں کی حنفیت میں فرق نہیں آتا بلکہ آپ حضرات کو علمی طور پر شرم بھی نہیں آتی اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم اپنے حنفی ہونے پر نازاں ہیں ؎

وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مُردے اُکھڑ گئے

یہ میری جبینِ نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

(۴) امام ابو جعفر الہندوانیؒ نے جو یہ فرمایا کہ عوام کو جہر سے نہ منع کیا جائے کیونکہ ان کی رغبت اور شوق

امور دین میں کم ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ سرے سے تکبیر ہی چھوڑ دیں یہ صرف عید الفطر کے دن کے بارے میں ہے عمومی طور پر ذکر بالجہر کی بات نہیں ہو رہی جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے یہ باور کرانے کی بے جا سعی کی ہے کہ سمجھنے والے اس سے عمومی ذکر کا حکم سمجھ لیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اور انہی کی پیروی میں مؤلف ذکر بالجہر نے یہ سمجھ رکھا ہے اور عید الفطر کی یہ کاروائی ان مستثنیٰ مواقع میں شامل ہے جن میں تکبیر بالجہر جائز ہے بہت سے سلف کا بھی اس پر عمل تھا اور حضرت امام صاحبؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے۔

مؤلف ذکر بالجہر کی بدحواسی

مؤلف ذکر بالجہر علامہ علیؒ کے اس حوالہ سے خاصے پریشان ہوئے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، حضرت امام صاحبؒ کے فتویٰ میں لفظ بدعت نے ان کے ہوش و حواس اڑا دیئے ہیں اور ص۶۴ اور ص۶۵ میں لفظوں کی شعبدہ بازی اور بائیں ہاتھ کے کرتب سے یہ ثابت کرنے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے کہ اس بدعت سے بدعت سیئہ مراد نہیں بلکہ بدعت حسنہ اور مستحبہ مراد ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اس مقام پر لفظ بدعت سے بدعت حسنہ مراد لے کر اپنے دل کی تسکین تلاش کرنا ہوائی قلعہ میں پناہ لینا ہے اس لئے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سید الفقہاء اور سراج الامت اپنے اس فتویٰ کی دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے وَاذْکُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ الآیۃ کیا مؤلف ذکر بالجہر اور ان کی جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے صریح امر اور حکم کی جو قرآن کریم کی نص قطعی میں وارد ہوا ہو مخالفت کرنا بدعت مستحبہ ہے؟ اگر واقعی ان کے نزدیک قرآن کریم کے صریح امر اور حکم کی مخالفت بدعت مستحبہ ہے تو پھر صحیح حدیث کی مخالفت تو ضرور فرض عین ہو گی؟ اور کیا وہ اپنے اسی نظریہ کے تحت متعدد صحیح اور صریح احادیث کی مخالفت کر کے ثواب دارین تو حاصل نہیں کر رہے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وَاذْکُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ الآیۃ سے ذکر جہر کے بدعت ہونے پر استدلال ماوشما کا نہیں فقیہ الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے جن کی فقاہت کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والے حضرات بھی ان کو عقل کا خارقہ کہنے پر مجبور ہیں (ملاحظہ ہو راقم کی کتاب مقام ابی حنیفہؒ) الغرض اس عبارت میں لفظ بدعت کی یہ تاویل اور توجیہ قطعاً باطل اور سراسر بے بنیاد ہے اور حضرت امام صاحبؒ کے اس ارشاد کی یہ توجیہ تَوْجِیْہُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی

بہ قائلہٗ کا مصداق ہے جو بالکل مردود ہے اور اس کے علاوہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس سے پہلے بیان کردہ اور آئندہ آنے والے حوالے اور عبارات اس باطل توجیہ کے مردود ہونے کی ایک الگ اور مستقل دلیل ہے اور اس بے بنیاد تاویل کا علمی دنیا میں کوئی مقام نہیں۔ علامہ حلبیؒ کا مزید ارشاد سنیئے چنانچہ وہ ایام تشریق کی تکبیرات کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:۔

وتكبير التشريق عقيب الصلوات قيل سنّة عندنا والاكثر على انه واجب لمواظبته عليه الصلوة والسلام عليه من غير ترك وكذا الخلفاء الراشدونؓ والصحابةؓ بشرط الاقامة والحرية والذكورة وكون الصلوة فريضة بجماعة مستحبة في المصر هذا كله عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى فلا تجب على مسافر ولا عبد ولا امرأة الّا اذا اقتدوا بمن تجب عليه ولا تجب عقيب الواجب كالوتر وصلوة العيد ولا عقيب النوافل ولا على المنفرد ولا على المعذورين صلوة الظهر يوم الجمعة بجماعة ولا على اهل القرى وعندهما يجب على كل من يصلي المكتوبة لانه تبع لها ولهما ان الجهر بالتكبير خلاف السنّة والشرع ورد به عند استجماع هذه الشرائط فيقتصر الّا بالاقتداء يجب بطريق

اور نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک سنّت ہے اور اکثر اس پر ہیں کہ واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح حضرات خلفاء راشدینؓ اور دیگر حضرات صحابہؓ نے اس پر ہمیشگی کی ہے اور اس کو کبھی چھوڑا نہیں (اور یہ وجوب کی دلیل ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ مقیم آزاد اور مرد ہو اور نماز فرض ہو جو ایسی جماعت سے ادا کی گئی ہو جو مستحب ہو اور شہر میں ہو یہ ساری تفصیل حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک مستحب ہے پس یہ تکبیر مسافر غلام اور عورت پر واجب نہیں مگر یہ اس کی اقتداء کریں جس پر یہ تکبیر واجب ہے (مثلاً مقیم وغیرہ) اور یہ تکبیر تشریق صلوٰۃ وتر کے بعد بھی واجب نہیں (کیونکہ وتر واجب ہیں فرض نہیں) اور اسی طرح عید کی نماز اور نفلوں کے بعد بھی واجب نہیں اور منفرد پر بھی واجب نہیں اور ان معذوروں پر جو جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے ادا کریں اور نہ دیہاتیوں پر یہ تکبیر لازم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جو شخص

التبعیۃ اھ
(کبیری ص۵۳۱)

بھی فرض نماز پڑھے اس پر یہ تکبیر واجب ہے کیونکہ یہ تکبیر فرضی نماز کے تابع ہے اور امام صاحبؒ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سُنّت کے خلاف ہے اور شریعت میں اس مقام پر جہر کا حکم آیا ہے جہاں یہ شرطیں موجود ہوں تو یہ حکم اسی مورد پر بند رہے گا ہاں مگر جوان میں کسی کی اقتدار کرے تو بالتبع اس پر واجب ہو جائیگی۔

اس عبارت سے بھی بصراحت معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہنا سُنّت کے خلاف ہے اور ظاہر بات ہے کہ جو چیز سنّت کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ ہی ہوگی۔ بدعت حسنہ کبھی نہیں ہو سکتی، لیکن جن مقامات پر شریعت نے جہر کی اجازت دی ہے وہاں ان شرائط کے ساتھ جہر کرنا جائز ہوگا جو شرعاً معتبر ہیں جہاں وہ شرائط مفقود ہوں وہاں امام صاحبؒ کے نزدیک اصل قاعدہ یہی ہے کہ جہر خلاف سنت اور بدعت ہے اب مؤلف ذکر بالجہر ی از روئے انصاف یہ بتائے (اگر انصاف ان کے نزدیک کوئی چیز ہے) کہ ہم نے حضرت امام صاحبؒ کا مسلک بحوالۂ کبیری جو نقل کیا ہے اس میں کیا کمی واقع ہوئی ہے کہ وہ بلا وجہ علمی اور تحقیقی سطح سے بہت نیچے اتر کر جلی کٹی سنانے، اور سوقیانہ طرز اختیار کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں؟

الغرض مستثنیٰ مقامات کو درمیان میں لا کر خلط مبحث کرنا علماء اور حق پسندوں سے کوسوں دور ہے حضرت ملا علی ن القاری الحنفیؒ بعض اور مقامات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جہاں شرعاً ذکر بالجہر مطلوب ہے:۔

ویسن الاسرار فی سائر الاذکار ایضاً الّا فی التلبیۃ والقنوت للامام وتکبیر لیلتی العید وعند رؤیۃ الانعام فی عشر ذی الحجۃ وبین کل سورتین من الضحیٰ الیٰ آخر القرآن وذکر السوق

اور تمام اذکار میں اخفاء مسنون ہے مگر تلبیہ میں اور دعائے قنوت میں امام کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہنا اور دونوں عیدوں کی راتوں میں اور ذوالحجہ کی دس تاریخوں میں (قربانی کے) جانور دیکھتے وقت اور سورہ والضحیٰ سے

الوارد وعند صعود الهضبات والنزول من الشرفات۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۵۴ طبع ملتان)	قرآن کریم کے آخر تک اور بازار میں جاتے وقت جو زکر وارد ہوتا ہے اور ٹیلوں پر چڑھتے وقت اور بلندیوں سے اترتے وقت۔

گویا یہ اور اس قسم کے وہ تمام مقامات جن میں شرعًا بلند آواز سے ذکر کرنا ثابت ہے۔ ان میں جہر ہی مطلوب ہے اور ان کے علاوہ آہستہ ذکر کرنا مسنون ہے اور بازاروں میں بلند آواز سے ذکر کرنا ہر وقت مطلوب نہیں بلکہ عید الاضحیٰ کے دس دنوں میں ذکر مراد ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ولا یمنع العامۃ من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبہ نأخذ۔ (در مختار ج ۱ ص ۵۸۶ طبع مصر)	عام لوگوں کو (عید کے) دس دنوں میں تکبیر کہنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے اور ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ شامی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

فی المجتبیٰ قیل لابی حنیفۃ ینبغی لاھل الکوفۃ وغیرھا ان یکبروا ایام العشر فی الاسواق والمسجد قال نعم وذکر الفقیہ ابو اللیث ان ابراھیم بن یوسفؒ کان یفتی بالتکبیر فیھا قال الفقیہ ابو جعفر والذی عندی انہ لا ینبغی ان تمنع العامۃ عنہ لقلۃ رغبتھم فی الخیر وبہ نأخذ فافاد ان فعلہ اولیٰ۔ (شامی ج ۱ ص ۵۸۶)	مجتبیٰ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے کہا گیا کہ کیا اہل کوفہ وغیرہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ دس دنوں میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابراہیمؒ بن یوسفؒ (البلخی جو بہت بڑے امام تھے المتوفی ۲۴۱ھ) ان دنوں میں تکبیر کہنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں عوام کو تکبیر کہنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ نیکی کے کاموں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے اور اسی کو ہم لیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا اچھا ہے۔

بلند آواز کے ساتھ یہ تکبیر بڑی عید کے دس دنوں کے ساتھ مختص ہے نمازوں کے بعد مسجدوں

میں ہو یا بازاروں میں جن کوتاہ فہم لوگوں نے اس سے عمومی طور پر ہر وقت بلند آواز کے ساتھ تکبیر پڑھنے کا جواز سمجھا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں اگرچہ ان ایام میں بازاروں میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کو بھی بہت سے اکابر احناف نے بدعت سے تعبیر کیا ہے مگر امام ابو جعفر محمدؒ بن عبداللہ الہندوانی الحنفیؒ (المتوفی ۳۶۲ھ) کے قول کے مطابق اس میں گنجائش ہے کہ بازاروں میں ان دس دنوں میں بلند آواز سے تکبیر کہی جائے۔

چنانچہ امام طاہرؒ بن احمدؒ بن عبدالرشید الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) رقم طراز ہیں کہ:۔

ویکبر من یذھب الی العید یوم الاضحیٰ ویجھر بالتکبیر ولا یکبر یوم الفطر وعندھما یکبر ویخافت وھو احدی الروایتین عن ابی حنیفةؒ والاصح ما ذکرنا انہ لا یکبر فی عید الفطر وفی النوازل سئل عن رفع الصوت بالتکبیر فی طریق المصلی فقال روی عن ابی یوسف انہ کان لا یکرہ ذٰلک فی العیدین جمیعًا وعن محمد انہ خرج الی العیدین مع خمسین او ستین شیخًا وکانوا یکبرون وکان ابراھیم بن یوسف یفتی بالتکبیر فی الاسواق فی ایام العشر وسئل ابراھیم النخعیؒ عن ذٰلک فقال تکبیر الحرکة و قال الفقیہ ابو جعفرؒ سمعت عن مشائخنا یرون ذٰلک بدعة والذی عندی انہ لا ینبغی ان یمنع العامة عن ذٰلک لقلة رغبتھم عن الخیرات	جو شخص عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جائے وہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور عید الفطر کے دن تکبیر نہ کہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تکبیر کہے مگر آہستہ اور امام صاحبؒ کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے اور یہ صحیح تر بات وہ ہے جو ہم نے ذکر کی کہ عید الفطر کے دن تکبیر نہ کہے اور نوازل میں ہے کہ عیدگاہ کے راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ دونوں عیدوں میں اس کو مکروہ نہ سمجھتے تھے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ پچاس یا ساٹھ بزرگوں میں عیدین کی نماز کے لئے نکلے اور وہ سبھی تکبیر کہتے تھے اور امام ابراہیمؒ بن یوسفؒ دس دنوں میں بازاروں میں تکبیر کہنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام نخعیؒ سے اس کے بارے سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا حرکت والی تکبیر ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ وہ اس

(خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۱۳ طبع نولکشور لکھنؤ) کو بدعت سمجھتے تھے مگر میرے نزدیک مناسب نہیں کہ عوام کو اس سے منع کیا جائے کیونکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ مشائخ احنافؒ میں وہ حضرات بھی تھے جو بازاروں میں بڑی عید کے دس دنوں میں بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے کو بدعت کہتے تھے فقیہ ابو جعفر الہندوانیؒ نے ان دنوں میں عوام کو نیکیوں میں قلتِ رغبت کی وجہ سے مبتلا ہونے کی وجہ سے اجازت دی ہے اور اسی پر بعد کے فقہار کرامؒ مدار رکھتے ہوئے اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ اجازت صرف ان دس دنوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے دنوں میں اس کی اجازت سمجھنا جہالت یا خیانت ہے نعوذ باللہ تعالیٰ منہا۔

امام قہستانیؒ کا حوالہ ——— مؤلف ذکر بالجہر لکھتے ہیں:۔

۶ سادسا سرفراز صاحب کے ہوش و حواس سے معذرت کے ساتھ شامی سے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے رہم نے عربی عبارت کی بجائے صرف ترجمہ پر ہی اکتفار کی ہے اور یہ ترجمہ مؤلف مذکور ہی کا ہے) بلکہ قہستانیؒ نے امام صاحبؒ سے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک یہ کہ اخفاء کرے دوسری یہ کہ جہر کرے جیسے صاحبینؒ کا قول ہے انہوں نے کہا کہ یہ دوسری روایت ہی صحیح ہے اور جیسا کہ ابو بکر رازیؒ نے کہا اور اس کی مثل نہر میں ہے اور حلیہ میں فرمایا کہ عید الفطر میں اختلاف ہے پس امام صاحبؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جہر کیا جائے اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے اور یہی امام طحاویؒ کا مختار ہے اور ایک روایت ان سے اخفار کی بھی ہے (شامی ج۱ ص۵۰۰ ذکر بالجہر ص۶۳) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:۔

پس معلوم ہوا کہ عید الفطر کی تکبیر دل میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں ایک سر کی اور دوسری جہر کی اور قہستانی کے نزدیک صحیح روایت جہر ہی کی ہے اسی کو صاحبینؒ نے اختیار کیا جو فقہار کے طبقہ ثانیہ سے اور مجتہد فی المذہب ہیں اور اسی کو امام ابو جعفر طحاویؒ نے اختیار ہ اور یہ طبقہ ثالثہ سے ہیں اور مجتہد فی المسائل ہیں اور اسی کو ابو بکر رازیؒ نے اختیار کیا۔ یہ طبقہ رابعہ سے ہیں اور صاحب تخریج ہیں اس کے علاوہ صاحب نہر صاحب حلیہ اور صاحب جامع رموز قہستانیؒ نے اس کو اختیار کیا یہ سب طبقہ سادسہ سے ہیں۔ پس اب سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ ذکر سے فقط ہم ہی بدعتی اور

حرام کے مرتکب ہوتے ہیں یا اس مبارک فتویٰ سے کچھ حصہ امام ابوحنیفہؒ سے لے کر طبقہ سادسہ تک کے فقہاء کو بھی ملے گا خوب غور و فکر سے جواب دیجئے، بینوا توجروا۔ انتہیٰ (ذکر بالجہر ص۹۶)

الجواب:۔ ان کی یہ سب کاوش بے کار ہے۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام قہستانیؒ (شمس الدینؒ المتوفی ۹۵۳ھ) کی پوری عبارت نقل کر دیں تاکہ مؤلف مذکور کی طبیعت صاف ہو جائے، یوم اضحیٰ کے احکام بیان کرتے ہوئے ماتن کے اس قول ویکبر جھراً فی الطریق کی شرح میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

ای طریق المصلیٰ بلا خلاف وفیہ اشارۃ
الی انہ یقطعہ اذا انتہی الیہ وفی روایۃ
یکبر الی ان یفتتح الامام صلوٰتہ ولانہ
انہ لا یکبر فی الفطر جھراً فی الطریق
وفی روایۃ عنہ انہ یکبر وھو قولھما
کما فی المحیط وقال الطحاوی ان الجھر
بہ فی الطریق سنۃ عند اصحابنا
جمیعاً اھ والصحیح علیٰ ما قال الرازی
کما فی الجلابی وعنہ انہ یکبر خفیۃ
کما فی الزاھدی والمختار عند اکثر
المشائخ ان یکبر فیھما خفیۃ وبہ ناخذ
کما فی المضمرات تحرزاً عن بدعۃ
الجھر بالذکر ومدار الامر ان الفعل
متی حام حول السنۃ والبدعۃ معاً
کان ترکہ اولیٰ من اتیانہ کما فی الکرمانی،
واعلم انہ ذکر ابوبکر الرازی قال مشائخنا
ان التکبیر جھراً فی غیر ھذہ الایام

یعنی عید گاہ کے راستہ میں تکبیر کہے اور اس میں
کوئی اختلاف نہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ
جب عید گاہ پہنچ جائے تو تکبیر موقوف کر دے
اور ایک روایت میں ہے کہ امام کے نماز شروع
کرتے تک تکبیر کہتا رہے۔ اور اس میں یہ اشارہ
بھی ہے کہ عید الفطر کے دن راستہ میں بلند آواز
سے تکبیر نہ کہے اور امام صاحبؒ کی ایک روایت
میں ہے کہ تکبیر کہے اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے
جیسا کہ محیط میں ہے اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ
بلند آواز سے راستہ میں تکبیر کہنا ہمارے تمام
اصحابؒ کے نزدیک سُنّت ہے اور یہی صحیح
ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا اسی طرح جلابی میں
ہے اور امام صاحبؒ کی ایک روایت یوں ہے
کہ آہستہ تکبیر کہے جیسا زاہدی کی قنیہ میں ہے
اور ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک مختار یہ ہے
کہ دونوں عیدوں میں آہستہ تکبیر کہے اور ہم بھی
اسی قول کو لیتے ہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے تاکہ

آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے اِلّایہ کہ دشمنوں یا چوروں کا مقابلہ ہو تو الگ بات ہے اس سے اس ذکر بالجہر کا ثبوت کیسے ہوا جس کے درپے مؤلف ذکر بالجہر اور ان کے حواری ہیں اور جس جہر بالذکر کا ارتکاب کر کے ان کی جماعت نہ تو مسجدوں میں آرام سے لوگوں کو نماز اور تلاوت وغیرہ ادا کرنے دیتی ہے اور نہ سکون سے راتوں کو نیند کرنے دیتی ہے اس چیز کا ثبوت ان ائمہ کرامؒ میں سے کس سے ہے؟ یہ ہے صحیح مقام غور و فکر سے بینوا توجروا جس کی طرف مؤلف مذکور کی توجہ ہی نہیں۔

فائدہ:۔ محیط کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے امام رضی الدین محمدؒ بن محمد السرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) کی محیط مراد ہوتی ہے جو عموماً نایاب ہے مگر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۱) اور الزاہدی سے امام نجم الدین مختارؒ بن محمود الزاہدی الغزمینیؒ (المتوفی ۶۵۸ھ) کی کتاب قُنیہ مراد ہے۔

تکبیرات تشریق

تشریق کے معنی صاحب ہدایہ نے امام خلیلؒ بن احمدؒ اللغویؒ (المتوفی ۱۷۰ھ) کے حوالہ سے الجہر بالتکبیر کے کئے ہیں (ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۵) اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ گوشت کو سورج میں بکھیر کر رکھنا تاکہ وہ خشک ہو جائے اور منیٰ کے مقام پر لوگ قربانی کے گوشت کو پتھر کی چٹانوں پر بکھیر دیتے تھے تاکہ خشک ہو جائے (بنایہ ہامش ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۵) اور آج کل بھی لوگ ایسا ہی کرتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے عید الاضحیٰ کی عصر کی نماز سمیت سب نمازوں کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا واجب ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ جو ان کے نزدیک ملحوظ ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے انشاء اللہ العزیز اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک نویں کی صبح کی نماز کے بعد سے تیرھویں کی عصر تک یہ تکبیر پڑھنا ضروری ہے اور فقہاء احنافؒ کا عمل اسی پر ہے چنانچہ عالمگیری میں تصریح ہے کہ:

والفتویٰ والعمل فی عامۃ الامصار و کافۃ الاعصار علیٰ قولہما کذا فی الزاہدی (عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۱ طبع مصر)	فتویٰ اور عمل اکثر شہروں اور سب زمانوں میں صاحبینؒ کے قول پر رہا ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے۔

اور قریب قریب یہی الفاظ در مختار ج ۱ ص ۸۶ طبع مصر میں ہیں لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ

الا بسبق الابازاء العدو واللصوص تهييبًا لهم وقيل وكذا فى التحريق والمخاوف كلها وكذا كلما لقى جمعًا او علا شرفا او هبط واديا كما فى الزاهدى انتهى۔

(جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۱ طبع نولکشور لکھنؤ)

ذکر بالجہر کی بدعت سے بچا جائے اور معاملہ کی مدار اس پر ہے کہ جب فعل بیک وقت سنت اور بدعت میں دائر ہو تو اس فعل کا ترک اس کے کرنے سے بہتر ہوگا، اسی طرح کرمانی میں ہے اور تو جان کہ امام ابوبکر رازیؒ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ان دنوں کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر مسنون نہیں ہے مگر دشمنوں یا چوروں کے مقابلہ میں ان کو ڈرانے کے لئے اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح آگ لگنے کے موقع اور تمام خطرات میں اور اسی طرح جب (سفر میں) سامنے آنے والی کسی جماعت سے ملاقات ہو یا کسی اونچی جگہ پر چڑھے یا کسی وادی میں اترے اسی طرح زاہدی میں ہے۔

اس عبارت سے یہ بات بالکل آشکارا ہوگئی ہے کہ علامہ قہستانیؒ نے عیدالفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کے جہر کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر راستہ کی تکبیر کے بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ آہستہ ہو تاکہ اس سے جہر بالذکر کی بدعت کا ارتکاب لازم نہ آئے اور پھر یہ ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک فعل سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو اس کو ترک کرنا ہی بہتر ہے تاکہ اس کے کرنے کی وجہ سے بدعت زندہ نہ ہو اور پھر امام ابوبکر الرازیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ان (عیدین کے) ایام کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے مگر دشمنوں یا چوروں کو مرعوب کرنے کے لئے اس عبارت کو بغور و فکر دیکھ کر فیصلہ کریں کہ علامہ قہستانیؒ کیا فرما گئے ہیں؟ پھر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ حضرات صاحبینؒ اور امام طحاویؒ اور امام ابوبکر الرازیؒ وغیرہ نے تو صرف عیدالفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے کی اجازت دی ہے دوسرے مقامات میں تو نہیں دی بلکہ امام ابوبکر الرازیؒ نے تو تصریح فرما دی ہے کہ دوسرے مقامات پر بلند

اس سلسلہ میں چند شرائط لگاتے ہیں مثلاً یہ کہ فرضی نماز ہو تکبیر پڑھنے والا مقیم ہو شہر میں ہو اور جماعت مستحبہ ہو (یعنی مثلاً تنہا عورتوں کی ہی جماعت نہ ہو کیونکہ وہ مکروہ ہے۔ شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۰) ہاں اگر عورتیں مردوں کی اقتداء کرلیں اور اسی طرح اگر مسافر مقیم امام کی اقتداء کرلیں تو عورتوں اور مسافروں پر امام کی پیروی اور اتباع میں تکبیر واجب ہو جائے گی (مگر عورتیں تکبیر آہستہ کہیں کیونکہ ان کی آواز پردہ ہے) اور جہاں یہ شرائط نہ ہوں تو وہاں حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہنا خلافِ سنت ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ:۔

ولان الجهر بالتكبير خلاف السنّة والشرع ورد به عند استجماع هذه الشرائط الّا انه يجب على النساء اذا اقتدين بالرجال وعلى المسافرين عند اقتدائهم بالمقيم بطريق التبعية (ھدایہ ج ۱ ص ۱۵۵)

اور اس لئے بھی کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور شریعت کا حکم وہاں ہے جب یہ شرطیں پوری ہوں مگر یہ کہ عورتوں پر بھی یہ تکبیر واجب ہو جائے گی جب کہ وہ مردوں کی اقتداء کریں اور اسی طرح مسافروں پر لازم ہے جبکہ وہ مقیم کی اقتداء کریں کیونکہ وہ اس کے تابع ہیں۔

حضرت ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں:۔

ولابی حنیفةؒ ان الجهر بالتكبير خلاف الاصل والنصّ الوارد فيه اجتمع هذه الامور فتراعى۔ (شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۰ طبع دیوبند)

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا خلافِ اصل ہے اور جو نص اس میں وارد ہوئی ہے اس میں یہ امور موجود ہیں سو ان کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔

حضرات فقہاء احنافؒ کی ان عبارات کے پیشِ نظر حضرت امام صاحبؒ کا اور حضرت صاحبینؒ کا آپس میں اختلاف صرف دو باتوں میں ہے۔ ایک یہ کہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے امام صاحبؒ کی مشہور روایت کے مطابق بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک (و روایۃ عن الامامؒ) جہراً تکبیر کہی جائے۔ دوسری یہ کہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے موقع پر نویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر دسویں کی عصر تک صرف آٹھ نمازوں کے بعد بلند آواز

سے تکبیر کہی جائے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تیرھویں تاریخ کی عصر تک تیئس نمازوں کے بعد جہراً تکبیر کہنی چاہیے جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے مثلاً الجوہرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۲۲ طبع مصر (للعلامۃ ابی بکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی الحنفیؒ المتوفی ۸۰۰ھ) اس کے علاوہ ذکر اور دعا کے بارے حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا کوئی اختلاف نہیں سب کے نزدیک ذکر اور دعا میں اصل اخفاء ہے اور جہر بدعت ہے اور فقہاء احنافؒ کی عبارات اس پر عرض کر دی گئی ہیں۔

طفلانہ سوال

مؤلف ذکر بالجہر لکھتے ہیں :۔ ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک بدعت ہے تو بتلایئے کہ صاحبینؒ امام صاحبؒ کے نزدیک بدعتی ہوئے یا نہیں ؟ جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں جہر بالتکبیر کا حکم کرتے ہیں ثانیاً خود امام صاحبؒ عید الاضحیٰ میں جہر بالتکبیر کا حکم کرتے ہیں بتلایئے اب وہ خود بدعتی ہوئے یا نہیں ؟ ثالثاً عید الفطر کے بارے میں امام صاحبؒ سے جہر بالتکبیر کی روایت ہے اب بتلایئے کہ وہ بدعتی ہوئے یا نہیں ؟ رابعاً عید الاضحیٰ کو جہر بالتکبیر کرنا سنت سے ثابت ہے اور آپ جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں تو سرفراز صاحب وہ بدعت کی کونسی قسم ہے جو سنت سے ثابت ہوتی ہے ؟ ذرا سوچ کر اور ہوش سے جواب دیں (بلفظہٖ ذکر بالجہر ص ۹۳ ، ۹۴)

الجواب :۔ یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے کم فہمی اور قلت تدبر کا شرمناک نتیجہ ہے اولاً اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ نے قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ اصل ذکر میں اخفاء ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں خود شریعت نے جہر کی اجازت دی ہے اور تکبیرات عیدین اور عید الاضحیٰ کے لئے جاتے ہوئے راستہ کی تکبیر اور ایک روایت میں عید الفطر کی بلند آواز سے تکبیر میں ان کے نزدیک شرعاً جہر ثابت اور مطلوب ہے پھر یہ ان کے نزدیک بدعت کیسے ہو گی ؟ وثانیاً اس لئے امام صاحبؒ یوم الاضحیٰ کی بلند آواز سے تکبیر کو سنت بلکہ واجب فرماتے ہیں (جیسا کہ کبیری کی عبارت میں مذکور ہے) اور اس پر وہ دلائل پیش فرماتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک وہ کیوں بدعت ہو گی ؟ وثالثاً حضرت امام صاحبؒ کی طرف سے کبیری وغیرہ میں الا ما خُصّ بالاجماع اور الا ما استثناہ الشرع وغیرہ دلیلیں پیش کی گئی ہیں ان کے ہوتے ہوئے محض سینہ زوری سے ان کے فتویٰ کو بدعت قرار دینا اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی لاحاصل کوشش کرنا نری جسارت ہے (نعوذ باللہ منہ تعالیٰ)

اور رابعاً عید الفطر کی تکبیر کے بارے امام صاحبؒ کی دو روایتیں ہیں ایک میں وہ جہراً تکبیر کے قائل ہیں اور اعلم الناس بمذہب ابی حنیفہؒ اور وکیل احناف حضرت امام طحاویؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، کما مرّ عن احکام القرآن ہاں دوسری روایت کے پیشِ نظر حضرات صاحبینؒ پر بدعت کا الزام لگ سکتا ہے لیکن چونکہ باقرار مؤلف مذکور (دیکھئے ص۶۴) حضرات صاحبینؒ مجتہد فی المذہب ہیں اور تعارض ادلّہ کے وقت ان کو اجتہاد کا حق ہے اور بصورتِ خطا بھی وہ معذور بلکہ ماجور ہوتے ہیں (بخاری ج۲ ص۱۰۹۲ و مسلم ج۲ ص۷۶) لہٰذا مجتہد کا کوئی بھی خطأً فیصلہ اجتہادی غلطی تو ہو سکتا ہے مگر بدعت نہیں ہوتی۔

علّامہ حلبیؒ سے مزید سنیئے وہ تحریر کرتے ہیں کہ:-

وقال ابوحنیفۃؒ لیس کلامنا فی مطلق الذکر فانہ امر مرغوب فیہ فی کل الاحیان بل الجھر بہ وھو بدعۃ لقولہ تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً الا ما استثناہ الشرع فاذا تعارضت الادلۃ فی مقدار المستثنٰی فالاخذ بالاقل والعمل فیما وراءہٗ بالاصل ھو الاحتیاط لان فیہ الجمع بین الادلۃ و بھذا ظھر انہ لاوجہ لمن جعل الفتوٰی علٰی قولھما اھ (کبیری ص۵۳۱ و ص۵۳۲)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ہمارا کلام مطلق ذکر کے بارے میں نہیں کیونکہ ذکر تو ہر وقت مطلوب ہے بلکہ ہمارا کلام جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ مگر وہاں جہر ہوگا جہاں شریعت نے جہر کی استثناء کی ہو پس جب دلائل مستثنٰی کی مقدار میں متعارض ہیں تو اقل لیا جائیگا اور اس کے علاوہ باقی اپنے اصل پر رہے گا احتیاط بھی اسی میں ہے کیونکہ اسی طریقہ سے دلائل کی تطبیق بھی ہوتی ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے فتوٰی صاحبینؒ کے قول پر دیا ہے اس کی کوئی (معقول) وجہ نہیں۔

اس عبارت میں بھی تصریح موجود ہے کہ امام صاحبؒ ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیتے ہیں مگر جس موقع پر شریعت نے جہر کی اجازت دی ہو اور جس قدر اجازت دی ہو اتنی ہی اس سے مستثنٰی ہوگی اس کے علاوہ اصل ہی پر بات رہے گی وہ یہ کہ ذکر آہستہ ہو اور اس عبارت میں علّامہ حلبیؒ نے اس

کی بھی صراحت کر دی ہے کہ امام صاحبؒ کی ایسی قوی اور راجح دلیل کی موجودگی میں صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دینے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اب مؤلف ذکر بالجہر ہی از راہ انصاف یہ کہہ دیں کہ کبیری کے حوالہ سے جو مسلک راقم نے امام صاحبؒ کا نقل کیا ہے وہ ساری عبارت کو سیاق وسباق اور اور ما قبل و مابعد کے ساتھ نقل کرنے کے بعد بھی وہی رہا یا کچھ اور ثابت ہوا؟ ہم نے تو کبیری کی عبارت اس سے بھی زیادہ نقل کر دی ہے جتنی کو انہوں نے نقل کر کے واویلا کیا ہے، اب دوسروں کو الزام دینے والے اور قصور وار ٹھہرانے والے خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نظارہ کر لیں کہ حقیقت کیا ہے؟ کہیں یہ تو نہیں کہ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نیز علامہ حلبیؒ ان حضرات کی تردید کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ امام قنوت جہر سے پڑھے تاکہ مقتدیوں کو بھی تعلیم ہو جائے یہ بھی لکھتے ہیں کہ نماز تعلیم کا مقام نہیں تعلیم خارج از صلوٰۃ ہونی چاہیئے اور قنوت آہستہ پڑھنی چاہیئے اور اسی کو صاحب ہدایہ وغیرہ محققین نے اختیار کیا ہے کہ قنوت میں اخفاء ہو اور اسی کو صاحب محیط نے صحیح کہا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ کیونکہ جہر سے مقتدیوں کو تشویش ہوگی کیونکہ مختار قول کے مطابق وہ اس کی پیروی کریں گے آگے فرماتے ہیں کہ:-

ولانہ ذکر و دعاء والمختار فیھما الاخفاء کما فی الثناء والتامین وسائر الادعیۃ والاذکار وقال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ وقال اللہ تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول وقال علیہ الصلوۃ والسلام خیر الذکر الخفی اھ (کبیری ص۴۰۳)

اور اس لئے بھی کہ قنوت ذکر اور دعا ہے اور مختار قول ان دونوں میں اخفاء ہے جیسا کہ ثنا اور آمین اور باقی تمام دعاؤں اور اذکار میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو اپنے دل میں زاری کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے پکارو اور جہر سے کم بول کے ساتھ پکارو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔

جہر اور اخفاء کی تعیین

جہر اور اخفاء کے مفہوم کی تعیین کے بارے میں حضرات فقہاء احناف کی عبارات اور تعبیرات مختلف ہیں جس کی بقدر ضرورت بحث آئندہ عبارات میں آرہی ہے انشاء اللہ العزیز لیکن اس بات میں تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ جن چیزوں کا تعلق تکلم اور تلفظ سے ہے ان میں جب تک تکلم اور تلفظ نہ ہو اس وقت تک شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ شرعاً ان پر کوئی فقہی حکم مرتب ہوتا ہے مثلاً طلاق وغیرہ اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے بشرطیکہ گونگا نہ ہو (گونگے کی اشارہ سے طلاق شرعاً معتبر ہے، ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۹ اور اسی طرح واضح کتابت سے بھی جو پانی اور ہوا وغیرہ پر نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ قاضیخان ج ص ۲۱۸ طبع نول کشور) جب تک زبان سے نہ بولے تو طلاق واقع نہیں ہوتی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اذا طلق فی نفسہ فلیس بشیٔ (بخاری ج ۲ ص ۹۲۴) یعنی اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں طلاق دیدے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ واقع نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وبعض فقہاء گویند کہ ذکر نمی باشد مگر بزبان و ادنیٰ مرتبہ وے آنست کہ بشنواند خود را بر قول مختار وغیر وے معتبر نیست چنانکہ در قرارت وطلاق و آنچہ بدل است آں فعل قلب است از	اور بعض فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ ذکر زبان ہی سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سنائے اور یہی قول مختار ہے اور اس کے سوا ذکر معتبر نہیں ہے چنانچہ قرارت اور طلاق (وغیرہ)

قسم علم و تصور ذکر نیست چنانچہ قرأت نیست و ذکر نام چیزے است کہ فعل لسان است۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص۱۵۱)

ہیں اور جو ذکر دل میں ہے وہ دل کا فعل ہے وہ علم اور تصور کی قسم سے ہے وہ ذکر نہیں جیسا کہ وہ قرارت نہیں اور ذکر اس چیز کا نام ہے جو زبان کا فعل ہو۔

اس عبارت کا یہ معنیٰ لینا کہ دل کا ذکر ذکر ہی نہیں اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے اور مؤلف ذکر بالجہر نے بھی (ص۶۵ اور ص۶۸ میں) اس کا ذکر کیا ہے قلّت تدبر کا نتیجہ ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ طلاق و قرارت وغیرہ امور جن میں تلفظ اور نطق شرط ہے ایسے ذکر کا اعتبار دل سے نہیں ہوگا ان میں زبان کا تلفظ اور اپنے آپ کو سنانا شرط ہے۔ اور یہی حکم ہے ان اذکار کا جن کا تلفظ شرعًا مطلوب ہے، عام اس سے وہ نماز میں ہوں یا خارج از نماز۔ چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں۔

اعلم ان الاذکار المشروعۃ فی الصلوۃ وغیرھا واجبۃ کانت او مستحبۃ لایحسب شئ منھا ولایعتد بہ حتی یتلفظ بہ بحیث یسمع نفسہ اذا کان صحیح السمع لاعارض لہٗ۔

(کتاب الاذکار ص۱۴ طبع مصر)

جاننا چاہیئے کہ وہ اذکار جو نماز وغیرہ میں مشروع ہیں واجب ہوں یا مستحب ان کا اس وقت تک شمار اور اعتبار نہ ہوگا جب تک ان میں اس انداز کا تلفظ نہ ہو جس میں خود اپنے آپ کو سنا سکے بشرطیکہ اس کی قوت سماعت صحیح ہو اور اس کو کوئی عارضہ بھی لاحق نہ ہو۔

اس عبارت میں موصوف نے مخصوص اذکار کا حکم بیان کیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے نہ کہ جملہ اور ہر قسم کے اذکار کا اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

قال القاضی عیاض رحمہ اللہ و ذکر اللہ تعالےٰ ضربان ذکر بالقلب وذکر باللسان وذکر القلب نوعان احدھما وھو ارفع الاذکار واجلھا الفکر فی عظمۃ اللہ تعالےٰ لہ وجبروتہ وملکوتہ وآیاتہ

قاضی عیاضؒ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر دو قسم کا ہے ایک ذکر دل کا دوسرا زبان کا اور دل کا ذکر بھی دو قسم کا ہے ایک ان میں تمام اذکار سے ارفع اور بلند پایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اس کے

فی سمٰوٰتہ وارضہ ومنہ الحدیث
خیر الذکر الخفی والمراد بہ ھذا والثانی
ذکرہ بالقلب عند الامر والنھی فیتمثل
ما امر بہ ویترک ما نھی عنہ و یقف
عما اشکل علیہ واما ذکر اللسان مجردا
فھو اضعف الاذکار ولکن فیہ فضل
عظیم کما جاءت بہ الاحادیث قال
وذکر ابن جریر الطبری وغیرہ اختلاف
السلف فی ذکر القلب واللسان ایھما
افضل قال القاضی والخلاف عندی
انما یتصور فی مجرد ذکر القلب تسبیحًا
وتھلیلًا وشبھھما وعلیہ یدل کلامھم
لا انھم مختلفون فی الذکر الخفی الذی
ذکرناہ والا فذلک لا یقاربہ ذکر
اللسان فکیف یفاضلہ وانما الخلاف
فی ذکر القلب بالتسبیح المجرد ونحوہ
والمراد بذکر اللسان مع حضور القلب
فان کان لاھیا فلا واحتج من رجح ذکر
القلب بان عمل السر افضل ومن رجح ذکر
اللسان قال لان العمل فیہ اکثر فان
زاد باستعمال اللسان اقتضی زیادۃ
اجر قال القاضی واختلفوا ھل تکتب
الملائکۃ ذکر القلب فقیل تکتبہ و

جبراور اس کے عجائبات اور اس کے آسمانوں اور
زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا اور خیر الذکر الخفی
کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے اور دوسرا دل کا
ذکر یہ ہے کہ اس کے امر اور نہی کے موقع پر مامور
کو بجالائے اور منہی عنہ کو ترک کردے اور جہاں
اشکال واقع ہو وہاں توقف کرے بہرحال خالی
زبان کا ذکر تو وہ کمزور ترین اذکار میں سے ہے
لیکن اس میں بھی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اسکے
بارے میں احادیث آئی ہیں اور انہوں نے فرمایا
کہ امام ابن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) وغیرہ
نے سلفؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ دل اور زبان
کے ذکر میں سے افضل کونسا ہے؟ قاضی عیاضؒ
فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اختلاف صرف
اس صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ محض دل میں
تسبیح اور تہلیل وغیرہ کا خیال آئے بغیر زبان کا اس میں کوئی
فضیلت ہے یا نہیں؟ و اسی پر ان کا کلام
دلالت کرتا ہے نہ یہ کہ سلفؒ ذکر خفی میں مختلف
ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ ایسا ذکر ہے
کہ زبان کا ذکر اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا تو اس سے
بڑھے گا کیسے؟ اختلاف اس میں ہے کہ دل میں
محض تسبیح وغیرہ آیا ذکر ہے یا نہیں ؟
اور زبان کے ذکر سے بھی وہ ذکر مراد ہے جس میں دل
حاضر ہو سو اگر دل غافل ہو تو وہ بھی کچھ نہیں

يجعل الله تعالىٰ لهم علامة يعرفونه بها وقيل لا يكتبونه لانه لا يطلع عليه غير الله تعالىٰ قلت الصحيح انهم يكتبونه وان ذكر اللسان مع حضور القلب افضل من القلب وحده والله اعلم انتهى (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴)

اور جنہوں نے دل کے ذکر کو ترجیح دی انہوں نے کہا کہ مخفی عمل افضل ہے اور جنہوں نے زبان کے ذکر کو راجح کہا انہوں نے کہا کہ اس میں عمل زیادہ ہے جب اس میں زبان کے استعمال کی زیادتی آئی تو اجر بھی زیادہ ہوگا۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ دل کے ذکر کو فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے لئے ایسی علامت مقرر کر دیتا ہے جس سے وہ شناخت کر لیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں لکھتے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مطلع نہیں (امام نوویؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتے لکھتے ہیں اور زبان کا ذکر حضور قلب کے ساتھ محض دل کے ذکر سے افضل ہے، واللہ اعلم۔

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

فصل الذکر یکون بالقلب ویکون باللسان والافضل منه ما کان بالقلب واللسان جمیعًا فان اقتصر علیٰ احدهما فالقلب افضل اه (کتاب الاذکار ص۸)

فصل ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور ان میں افضل وہ ذکر ہے جو دل اور زبان دونوں سے ہو پس اگر ان میں سے ایک پر اقتصار کیا جائے تو دل کا ذکر افضل ہے۔

یعنی ایسا ذکر جس کا تعلق نطق سے نہ ہو اور حضور قلب اور اخلاص سے کیا جائے تو وہ افضل ہوگا کیونکہ یہ اس مد میں آتا ہے کہ اس کو فرشتے بھی نہیں سنتے اور اس کا درجہ ستر گنا زیادہ ہے جیسا کہ حدیث کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وکل ذکر مشروع ای مامور به فی الشرع واجبا کان او مستحبا لا یعتد بشیء منه حتی یتلفظ به۔ (مرقات ج ۵ ص ۷۹)	ہر وہ ذکر جس کا شریعت میں حکم آیا ہے واجب ہو یا مستحب اس کا اس وقت تک اعتبار نہیں جب تک تلفظ نہ ہو۔

ایسے اذکار سے وہ اذکار مراد ہیں جن میں نطق اور تلفظ شرط ہے مثلاً تسمیہ عند الذبح قرأت اور تسبیحات نماز وغیرہ۔ امام محمدؒ بن محمد ——————— الغزالی الشافعیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ان المؤثر النافع هو الذکر علی الدوام مع حضور القلب فاما الذکر باللسان لاه فهو قلیل الجدوی وفی الاخبار ما یدل علیه وحضور القلب فی لحظة بالذکر والذهول عن الله عزوجل مع الاشتغال بالدنیا ایضا قلیل الجدوی بل حضور القلب مع الله علی الدوام او فی اکثر الاوقات هو المقدم علی العبادات اھ (احیاء العلوم مع تخریج العراقی ج ۱ ص ۳۰۱ طبع مصر)	مؤثر اور نافع وہ ذکر ہے جو ہمیشہ ہو اور اس میں دل حاضر ہو بہر حال زبان کے ساتھ ایسا ذکر جس میں دل غافل ہو تو اس کا نفع کم ہے اور احادیث میں ایسا بیان آیا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور ایک لحظہ کے لئے ذکر میں دل کا حاضر ہونا اور پھر دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا بھی بہت کم مفید ہے بلکہ ہر وقت یا اکثر اوقات میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے لو لگانا عبادات پر مقدم ہے۔

امام غزالیؒ نے (فی الاخبار ما یدل علیه) سے ان احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں بغیر حضور قلب کے دعا کی عدم قبولیت کا ذکر آتا ہے جن میں ایک حضرت ابو ہریرۃؓ (اصل نام عبد الرحمٰن ؓ بن صخر تھا المتوفی ۵۹ھ) کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ادعوا الله وانتم موقنون بالاجابة واعلموا ان الله لا یستجیب دعاء من قلب غافل لاہ (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۱۸۶)	تم اللہ تعالیٰ کو اس طریقے سے پکارو کہ تم یقین رکھو کہ وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائیگا اور تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل سے دعا قبول

وقال هذا حدیث غریب ومشکوۃ ج ۱ ص۱۹۵ نہیں فرماتا۔
طبع اصح المطابع)

جن بعض بزرگوں کی عبارات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ تنہا ذکر بالقلب میں کوئی ثواب نہیں مثلاً امام احمدؒ بن محمدؒ ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفی ۹۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ۔

ان جماعۃ من ائمتنا وغیرھم یقولون لاثواب فی ذکر القلب وحدہ۔ (فتاوی حدیثیہ ص۶۳)

ہمارے آئمہ وغیرہم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ محض دل کے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ہے۔

تو اس سے ایسا ذکر مراد ہے جس کا تلفظ اور تکلم شرعاً ماموراور مطلوب ہے، ورنہ امام قاضی عیاض المالکیؒ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے کہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہی دل کا ہے اور اسی طرح امام نوویؒ کا ارشاد بھی گذر چکا ہے اور حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ نے ایک اور لطیف بات فرمائی ہے

وقال الامام المراد بالذکر فی نفسہ ان یکون عارفا بمعانی الاذکار التی یقولہا بلسانہ مستحضراً لصفات الکمال والعز والعظمۃ والجلال وذٰلك لان الذکر باللسان عاریا عن الذکر بالقلب کانہ عدیم الفائدۃ بل ذکر جمع ان الذکر اللسانی الساذج لاثواب فیہ اصلاً اھ (تفسیر روح المعانی ج ۹ ص۱۵۴ طبع مصر)

اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دل میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان اذکار کے معانی کو جاننے والا ہو جن کو وہ زبان سے پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کمال، عزت، عظمت اور جلال وغیرہ کو مستحضر رکھے کیونکہ زبان کا ایسا ذکر جو دل کی موافقت سے خالی ہو گویا اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ زبان کے سادہ ذکر میں (جس میں دل شریک نہ ہو) بالکل کوئی ثواب نہیں ہے۔

ان بعض حضرات نے تو یہ کہا مگر حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں فقہاء نے جو اعتبار نہیں کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ احکام دنیویہ بدوں اس کے معتبر نہیں نہ یہ کہ ثواب بھی نہیں ہوتا (النوادر ص۱۴۴) اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ ذکر لسانی بھی زبان کا ایک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کا عمل ضائع نہیں کرتا ہاں اگر

نفاق کے طور پر زبان سے کہے اور دل ساتھ نہ ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

امام محمدؒ بن محمدؒ ابن الجزری الدمشقی الشافعیؒ (المتوفی ۸۳۳ھ) نے اپنی کتاب حصن حصین میں ذکر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

ولا یعتد له بشئ مما رتبه الشارع علی قوله حتی یتلفظ به ویسمع نفسهٗ اھ (حصن حصین)

یعنی جو اجر اور ثواب شریعت نے ذکر پر مرتب کیا ہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اس کا تلفظ نہ کرے اور اپنے آپ کو نہ سنائے۔

اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اقول اما باعتبار التلفظ فهو معلوم من اقواله صلے الله علیه وسلم المصرحة بان قال من قال کذا کان له من الاجر کذا فلا یحصل له ذٰلك الاجر الا بما یصدق علیه معنی القول وهو لا یکون الا بالتلفظ باللسان واما اشتراط ان یسمع نفسهٗ فلم یرد ما یدل علیه لانه یصدق القول بمجرد التلفظ وهو تحریك اللسان وان لم یسمع نفسهٗ فینظر ما وجه الاشتراط اھ (تحفة الذاکرین ص۲۹ و ص۳۰ طبع مصر)

میں کہتا ہوں کہ تلفظ کا اعتبار تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح اقوال سے معلوم ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسا کہا تو اس کو اتنا اجر ملے گا تو اس کو اجر اسی صورت میں مل سکتا ہے جس پر قول کا معنیٰ صادق آئے اور قول زبان کے ساتھ تلفظ کے بغیر نہیں ہوتا باقی رہی یہ شرط کہ اپنے آپ کو سنائے تب اس کو ثواب ملے گا تو اس کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی کیونکہ ثواب قول پر مرتب ہے اور وہ محض تلفظ سے پورا ہو جاتا ہے اور تلفظ کا معنیٰ زبان کو حرکت دینا ہے اگرچہ اپنے آپ کو نہ سنائے سو غور کرنا چاہیئے کہ اپنے آپ کو سنانے کی شرط کی کیا وجہ ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ تلفظ کرنے سے ذکر کا مقصد پورا ہو جاتا ہے گو ذاکر کے اپنے کان بھی نہ سنیں اور اگر اس انداز کا تلفظ ہو کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچائی جائے تو یہ بعض اکابر کی تعریف

کے لحاظ سے ادنیٰ جہر کہلائے گا جیسا کہ امام کرخیؒ وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ:۔

لم یخافت من اسمع اذنیہ رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۲۶۷)

جس شخص نے اپنے دونوں کانوں کو آواز سنادی اس نے آہستہ نہیں پڑھا۔

نماز میں جہر و آہستہ کا حکم؟

حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے منفرد کی نماز میں قرأت اور تسبیحات وغیرہ کے جہر اور اخفار کے مفہوم کے بارے میں کچھ اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ:۔

ثم المخافتۃ ان یسمع نفسہ والجہران یسمع غیرہ وھذا عند الفقیہ ابی جعفر الھندوانیؒ لان مجرد حرکۃ اللسان لا یسمی قرأۃ بدون الصوت وقال الکرخی ادنیٰ الجہران یسمع نفسہ وادنیٰ المخافتۃ تصحیح الحروف لان القرأۃ فعل اللسان دون الصماخ اھ (ھدایہ ج۱ ص۹۸ وراجع الجامع الرموز ج۱ ص۲۰۴)

پھر آہستہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ غیر کو سنائے اور یہ فرق فقیہ ابو جعفر الھندوانیؒ کے نزدیک ہے کیونکہ آواز کے بغیر محض زبان کی حرکت کو قرأت نہیں کہا جاتا اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ جہر یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور ادنیٰ مخافتت یہ ہے کہ حروف کی تصحیح کی جائے اس لئے کہ قرأت تو زبان کا فعل ہے کان کا نہیں۔

علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

ولم یبین المصنف حد الجہر والاخفار للاختلاف مع اختلاف التصحیح فذھب الکرخی الی ان ادنے الجہر ان یسمع نفسہ وادنے المخافتۃ تصحیح الحروف وفی البدائع ما قالہ الکرخی اقیس واصح وفی کتاب

صاحب کنز نے جہر اور اخفار کی حقیقت بیان نہیں کی کیونکہ اس میں اختلاف ہے...... .... اور پھر اس اختلاف میں صحیح قول کی تصحیح میں اختلاف ہے سو امام کرخیؒ اس طرف گئے ہیں کہ ادنےٰ جہر یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور ادنیٰ مخافتت یہ ہے کہ حروف

الصلوٰۃ لمحمد اشارۃ الیہ فانہٗ قال ان شاء قرأ فی نفسہٖ وان شاء جہر واسمع نفسہٗ واکثر المشائخ علی ان الصحیح ان الجہران یسمع غیرہٗ والمخافتۃ ان یسمع نفسہ وھو قول الھندوانیؒ وکذا کل ما یتعلق بالنطق کالتسمیۃ علی الذبیحۃ و وجوب السجدۃ بالتلاوۃ والعتاق والطلاق والاستثناء حتّٰی لو طلق ولم یسمع نفسہٗ لا یقع وان صحح الحروف وفی الخلاصۃ الامام اذا قرأ فی صلوٰۃ المخافتۃ بحیث سمع رجل او رجلان لا یکون جہرًا اذ الجہران یسمع الکل اھ (بحرالرائق ج ۱ ص ۳۳۶)

کی تصحیح کرے اور بدائع میں ہے کہ امام کرخیؒ نے جو کہا قیاس کے مطابق وہی ہے اور یہی صحیح ہے اور امام محمدؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر چاہے تو اپنے دل میں پڑھے اور اگر چاہے تو جہر سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے اور اکثر مشائخؒ اس بات پر ہیں کہ جہر یہ ہے غیر کو سنائے اور آہستگی یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور یہی امام ہندوانیؒ کا قول ہے اور یہی تفصیل ہے ہر اس چیز میں جو نطق سے تعلق رکھتی ہے مثلاً ذبح کئے جانے والے جانور پر بسم اللہ پڑھنا اور سجدہ تلاوت کا تلاوت کے ساتھ واجب ہونا اور غلام وغیرہ آزاد کرنا اور طلاق اور استثناء یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے طلاق دی اور اپنے آپ کو نہ سنایا تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ اس نے حروف کی تصحیح کی اور خلاصہ میں ہے کہ امام جب سرّی نماز میں قرأت کرے یہاں تک کہ ایک آدمی سنے یا دو سنیں تو جہر نہ ہوگا جہر یہ ہے کہ سب سُنیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔ الجواب ادنیٰ کی حد تو معین ہے اصطلاح اول پر تو تحریک لسان اور اصطلاح ثانی پر اسماع نفس خود کما صرح بہ الفقہاء لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں اپنی نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش و ایذاء نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۲؍ ذوالقعدہ ۱۳۲۰ھ امداد الفتاویٰ حصہ ص ۱۶۳)

فائدہ :۔ والجھران یسمع الکل کا یہ معنی نہیں کہ سب محلہ یا تمام گاؤں اور کل شہر کے لوگ امام کی قراۃ سُن لیں بلکہ یہ معنی ہے کہ اس کی اقتداء میں جتنے مقتدی اور نمازی ہیں وہ سب اس کی قرأت کو سُن لیں اور یہ حوالے اس کی دلیل ہے ۔

(۱) علامہ حصکفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

ویجھر الامام وجوبًا بحسب الجماعۃ فان زاد علیہ اساء (در المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۴۹۷ طبع مصر)	امام وجوبی طور پر اتنا جہر کرے جتنا جماعت کے مطابق ہو اگر اس نے اس سے زیادہ جہر کیا تو اس نے بُرا کیا۔

(۲) علامہ طحطاوی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

والمستحب ان یجھر بحسب الجماعۃ فان زاد فوق الحاجۃ فقد اساء (طحطاوی ص۱۳۷ طبع مصر)	اور مستحب یہ ہے کہ جماعت کے اندازہ کے مطابق امام جہر کرے حاجت سے زیادہ جہر کیا تو بلاشبہ اس نے برا کیا۔

(۳) عالمگیری میں ہے :۔

اذا جھر الامام فوق حاجۃ الناس فقد اساء لان الامام انما یجھر لاسماع القوم لیدبروا فی قرأتہ لیحصل احضار القلب کذا فی السراج الوھاج۔ (عالمگیری ج۱ ص۷۲)	اور جب امام نے لوگوں کی حاجت سے زیادہ جہر کیا تو بے شک اس نے بُرا کیا کیونکہ امام اس لئے جہر کرتا ہے کہ قوم کو سنائے کہ وہ اس کی قرأت پر غور و فکر کریں تاکہ دل کو حاضر کرنے کا موقع ان کو حاصل ہو اسی طرح السراج الوہاج میں ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب اپنی دل پسند تفسیر روح البیان کی ایک عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں کشف میں فرمایا کہ قدرِ ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا (بلفظہ جاء الحق ص۲۳۵)

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کا اس قدر جہر کرنا جو مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت سے زائد ہو ایک بری کاروائی اور ناشائستہ حرکت بلکہ گناہ ہے۔

جہری نمازوں میں جہر سے پڑھنا امام پر واجب ہے اور در مختار کی مذکورہ عبارت میں وجوباً کی قید صراحت سے موجود ہے۔

اقامت میں بھی جہر بقدر ضرورت ہو — حضرات فقہاء اسلامؒ نے اس نکتہ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا کہ جہاں جس قدر جہر کی ضرورت ہے اس سے زیادہ نہ ہو کیونکہ جہر خلاف اصل ہے اور جو حکم بھی خلاف ہوگا وہ اپنے مورد اور ضرورت پر بند ہوگا اس کو کھینچ تان کر عموم کا جامہ پہنانا درست نہیں ہے چنانچہ امام نووی الشافعیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

فان اسر بالاذان لم یعتد به لانه لا یحصل به المقصود وان کان یؤذن لصلوٰته وحده لم یرفع الصوت لانه لا یدعو غیره فلا وجه لرفع الصوت والمستحب ان یکون رفع الصوت فی الاقامة دون رفع الصوت فی الاذان لان الاقامة للحاضرین۔ (المجموع شرح المهذب ج۳ ص۱۱۱ طبع مصر)

پس اگر مؤذن نے اذان آہستہ کہی تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اگر وہ صرف تنہا اپنی نماز کے لئے اذان کہتا ہے تو آواز بلند نہ کرے اس لئے کہ وہ دوسروں کو تو دعوت نہیں دے رہا تو آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مستحب یہ ہے کہ اقامت میں آواز اذان کی آواز سے کم بلند ہو کیونکہ اقامت تو حاضر لوگوں کے لئے ہوتی ہے (اور وہ سبھی مسجد میں موجود ہوتے ہیں پھر بلا ضرورت چلانے کی کیا ضرورت ہے؟)

اس عبارت میں اکیلے شخص کی اپنی نماز کے لئے اذان کا حکم یہ بیان کیا کہ اس میں آواز بلند نہ ہو کیونکہ کسی دوسرے کو تو وہ بلا نہیں رہا بلکہ صرف شرعی شرط پوری کرنے کے لئے اپنی نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور اسی طرح اقامت میں بھی اذان کی طرح آواز بلند نہ کرے کیونکہ اقامت محض حاضرین کو سنانے کے لئے ہوتی ہے اور وہ قریب ہی ہوتے ہیں پھر زیادہ آواز کی کیا ضرورت ہے؟

تکبیر تشریق میں بھی اعتدال ہو۔

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ عیدین میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے اور اسی طرح تکبیر تشریق میں شرعاً جہر مطلوب ہے لیکن افراط اور مبالغہ کے ساتھ جہر اس میں بھی مطلوب نہیں ہے۔ ہر آدمی کی آواز

اس انداز کی ہو کہ خود سُن سکے اور جو اس کے قریب اور آس پاس ہیں وہ سُن سکیں اس سے زیادہ زور سے آواز بلند کرنا خلاف سُنت ہے۔ ہاں تعلیم مقصود ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب مسجد میں نمازی بکثرت ہوں تو تھوڑی تھوڑی آواز بھی مل کر ایک دفعہ مسجد ہلکے انداز سے گونج اٹھے گی رفع الصوت اور جہر کا معنیٰ گلا پھاڑنا ہرگز نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابن الحاج المالکیؒ (فصل فی التکبیر عندالخروج الی المصلّٰی میں) لکھتے ہیں کہ (ان دنوں)

والسنّة المتقدمة ان یجھر بالتکبیر فیسمع نفسه ومن یلیه والزیادة علیٰ ذلك ورفع الصوت بذلك یخرج عن حد السمت والوقار اھ	پہلی سنت یہ ہے کہ جہر سے تکبیر کہے اس انداز سے کہ اپنے نفس کو اور جو اس کے آس پاس ہیں ان کو سنائے اور اس سے زیادہ آواز بلند کرنا خوش وضعی اور وقار کی حد سے نکال دیتا ہے۔

(المدخل ج۲ ص۲۸۵ طبع مصر)

اور حج کے دِنوں میں مقام منیٰ میں اقامت کے زمانہ میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنے کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

فاذا سلم الامام من صلوٰۃ الفرض فی تلك الایام کبر الامام تکبیرًا یسمع نفسه ومن یلیه وکبر الحاضرون بتکبیرہ کل واحد یکبر لنفسه ولا یمشی علیٰ صوت غیرہ علیٰ ما وصف من انه یسمع نفسه ومن یلیه فھذہ ھی السنّة۔	پس جب ان دنوں میں فرضی نماز سے امام سلام پھیرے تو تکبیر کہے اس انداز سے کہ اپنے آپ کو اور اپنے آس پاس والوں کو سنائے اور حاضرین بھی اس کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں لیکن ہر ایک الگ اپنی ہی تکبیر کہے یہ نہ ہو کہ سب مل کر ایک آواز سے تکبیر کہیں اور اس انداز سے تکبیر کہیں جو بیان ہُوا کہ اپنے آپ کو اور آس پاس والوں کو سنائے اور یہی سنت ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں آگے لکھتے ہیں کہ :۔

واما یفعله بعض الناس الیوم من انه اذا سلم الامام من صلوٰته کبر	بہر حال آج کل بعض لوگ جو یہ کاروائی کرتے ہیں کہ جب امام اپنی نماز سے سلام پھیرتا ہے تو

المؤذنون على صوت واحد على ما يعلم من زعقاتهم في المآذن ويطيلون فيه والناس يستمعون اليهم ولا يكبرون في الغالب وان كبر احد منهم فهو يمشي على اصواتهم وذلك كله من البدع اذا لم ينقل ان النبي صلى الله عليه وسلم فعله ولا احد من الخلفاء الراشدين رضی بعده وفيه اخراق حرمة المسجد برفع الاصوات فيه والتشويش على من به من المصلين والتالين والذاكرين انتهى (المدخل ج۲ ص۲۸۵)

مؤذن ایک ہی آواز سے تکبیر کہتے ہیں جیسا کہ اذان کی جگہوں سے ان کے چلانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور وہ لمبی لمبی آوازیں نکالتے ہیں اور لوگ اُن کی آوازیں سنتے ہیں اور خود عموماً تکبیر نہیں کہتے اور اگر ان میں کوئی تکبیر کہتا ہے تو رل مل کر ایک ہی آواز سے تکبیر کہتے ہیں اور یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ایسا کیا ہو اور نہ آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ میں سے کسی نے ایسا کیا ہے اور اس طریقہ سے آوازیں بلند کرنے سے مسجد کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے اور نمازیوں اور تلاوت اور ذکر کرنے والوں کو تشویش بھی ہوتی ہے۔

حضرات فقہاء احنافؒ وغیرہم کی ایسی واضح اور صریح عبارات کی موجودگی میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور قرآن کریم کا تلاوت کے طور پر بالجہر پڑھنا جب کہ مثلاً نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہو، درست اور خصوصاً فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس سے منع کرنے والا بدعتی ہے جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں بلکہ ص۴۵ میں وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ الآیۃ کی تفسیر غلط سمجھ کر اور حضرات مفسرین کرامؒ کی مراد کو نہ سمجھتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ خدا خوفی اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اب آپ بلند آواز سے قرآن پڑھنے پر بھی بدعت اور حرام کا فتویٰ لگائیے وعظ اور ارشاد کی مجالس کو بھی بند کرائیے کیونکہ وہ بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں جہری نمازوں کا سلسلہ بھی ختم کیجئے اور اگر یہ آیت وعظ و نصیحت قرأۃ قرآن اور نمازوں میں جہر کے منافی نہیں تو متنازعہ فیہ ذکر میں جہر کے کیسے منافی ہوگی کیونکہ یہ تمام ہی ذکر کے افراد ہیں۔

تو پھر کیا یہ خیانت اور بد دیانتی کی انتہاء نہیں ہے کہ آپ نے ذکر کے ان افراد سے یکسر اغماض

کر لیا جو آپ کی امامت اور خطابت کے ضامن ہیں جس سے آپ کا پیٹ پلتا ہے اور جو آپ کی آمدنی میں افزائش کا باعث ہیں اھ۔

الجواب یہ جو کچھ لکھا ہے مؤلف مذکور کی نری جہالت اور فقہ حنفی سے ناواقفیت کا بیّن ثبوت ہے اولاً اس لئے کہ خیر سے خود ہی جہل مرکب کا شکار ہیں کیونکہ انہوں نے وَاذْکُر الآیۃ کی تفسیر میں ذکر اور قرآن کریم کی قراۃ وغیرہا کی تعمیم تو تفسیروں سے نقل کر دی جس پر وہ پھولے نہیں سماتے لیکن خود قرآن کریم اور اپنی معتبر اور پسندیدہ تفسیروں سے آگے دُوْنَ الْجَھْرِ کی تفسیر گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر کھا گئے ہیں جو ان کے مدعٰی کے سراسر خلاف ہے جس کی بقدر ضرورت بحث باحوالہ پہلے گذر چکی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ آمدنی کی افزائش اور پیٹ پلنے کا طعنہ ہمیں دے رہے ہیں وثانیاً ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور جس صورت میں نمازیوں وغیرہم کو تکلیف ہوتی ہو اس صورت میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کا جائز نہ ہونا اور ضرورت سے زائد امام کے لئے قرأت میں جہر نہ کرنا یہ سب باتیں باحوالہ پہلے عرض ہو چکی ہے کیا یہ خیانت علمی اور انتہا درجہ کی بد دیانتی نہیں کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے جہاں ذکر بالجہر درست ہے وہاں درست ہے اور جہاں منع ہے وہاں منع بھی ہے اور بدعت بھی لایجوز بھی ہے اور مکروہ بھی (کما مر مفصلاً) حضرات فقہاء کرامؒ کی ان تصریحات سے اغماض کرنا کونسی دیانت ہے؟ مؤلف مذکور کو ہوش میں آکر جواب دینا چاہیئے کیونکہ ع کلاب ما نیز زبانے و بیانے دارد وثالثاً وعظ و نصیحت میں آواز بلند کرنے کا تذکرہ اس سلسلہ میں کرنا مؤلف مذکور کی یا تو خیانت ہے یا جہالت کیونکہ وعظ و خطبہ کے موقع پر آواز کا بلند کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور امت مسلمہ کا بلا اختلاف اس پر تعامل چلا آرہا ہے حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ:۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۲۸۴ ومشکوۃ ج ۱ ص ۱۲۳)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطاب فرماتے تو آپ کی دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

یستدل بہ علی انہ یستحب للخطیب	اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ خطیب کے

ان یفخم امر الخطبۃ ویرفع صوتہ اھ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵) — لئے مستحب ہے کہ خطبہ کے معاملہ کو پُر عظمت رکھے اور اپنی آواز بلند کرے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اس قدر بلند اور صاف الفاظ سے وعظ اور خطاب ارشاد فرماتے تھے کہ عورتیں جو بالکل مردوں کی صفوں کے پیچھے دُور ہوتی تھیں وہ بھی بخوبی سُن لیتی تھیں بلکہ یاد بھی کر لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام ہشامؓ بنت حارثہ بن نعمان اور حضرت عمرہؓ بنت عبدالرحمٰنؓ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں (واللفظ للاولیٰ)۔ کہ

ما اخذت (وقال اخت عمرۃ ماحفظت) ق والقرآن المجید الا عن لسان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقرأھا کل جمعۃ علی المنبر اذا خطب الناس۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۸۶ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۳) — میں نے سورۂ قٓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سُنکر یاد کی ہے آپ ہر جمعہ کے دن منبر پر جب لوگوں کو خطاب فرماتے تو اس کو پڑھتے تھے۔

ان صحیح اور صریح روایات سے معلوم ہوا کہ وعظ و نصیحت اور خطبہ کے موقع پر آواز بلند کرنا نہ صرف جائز ہی ہے بلکہ مستحب بھی ہے لہٰذا مؤلف مذکور کا خطابت کا اس ضمن میں تذکرہ کرنا خیانت یا جہالت ہے۔ مؤلف مذکور کے ہم ایک گونہ مشکور بھی ہیں کہ انہوں نے اذان میں رفع الصوت کا قصہ نہیں چھیڑ دیا ورنہ ہے تو وہ بھی ذکر اللہ ہی، خدا تعالیٰ ان کو ہدایت دے پھر ان کا بھلا کرے کہ ہمیں تفصیل کے ساتھ یہ جواب دینے کی اور اہتمام کے ساتھ حوالے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی کہ جب حضرت عبداللہؓ بن زید بن عبد ربہ کو ملک منزل من السماء (یعنی وہ فرشتہ جس نے آسمان سے اتر کر ان کو بذریعۂ خواب) اذان و اقامت کے الفاظ کی تلقین اور تعلیم دی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

فقم مع بلال فالق علیہ ما رأیت فلیؤذن فانہ اندیٰ صوتا منک (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۲ و ترمذی ج ۱ ص ۲۶ و ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۱) — کہ تو بلالؓ کے پاس کھڑا ہو کر وہ الفاظ اس کو بتا جو تو نے خواب میں دیکھے ہیں تاکہ وہ اذان کہے کیونکہ اس کی آواز تیری آواز سے بہت بلند ہے

فرض نمازوں کے بعد دعاء کا ثبوت

دعاء ایک عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش اور راضی ہوتا ہے لیکن بعض مقامات، بعض اوقات، بعض اشخاص اور بعض کلمات کے ساتھ دعاء بڑی ہی مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے حضرت ابوامامہ (المتوفی ۸۶ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسی دعاء زیادہ سنی جاتی اور قبول ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ

جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۱۸۸ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۹) رات کے آخری حصہ میں اور فرضی نمازوں کے بعد۔

اسی بناء پر اکثر امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ وہ فرضی نمازوں کے بعد اہتمام سے دعاء کرتے ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ

فیعزر تارك الدعوات بعد الصلوٰت ولا یعذر علی ترکھا (الکوکب الدری ج ۲ ص ۲۹۱) (فرضی) نمازوں کے بعد دعاء کا تارک قابل تعزیر ہے اور اس کے ترک کی وجہ سے وہ معذور نہ ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ بن اسمٰعیلؒ البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے باب الدعاء بعد الصلوٰۃ (ج ۲ ص ۹۳۷) شراح حدیث کا بیان ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ فرضی نمازوں کے بعد دعاء کا ثبوت ہے جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کی بات قابل التفات نہیں ہے، متاخرین میں حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے لیکن دلائل کے لحاظ سے ان کے انکار کی چنداں وقعت نہیں ہے غیر مقلدین حضرات میں نواب صدیق خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) نے دلیل الطالب میں اور مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) نے تحفۃ الاحوذی میں اس دعاء کا نہ صرف یہ کہ اقرار ہی کیا ہے بلکہ قدرے وزنی دلائل سے اثبات بھی کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ، میں کہتا ہوں کہ راجح میرے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے جس کا جی چاہے کرے اس میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۴۶)

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت۔

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا تو اس سے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رواہ الطبرانی قال الھیثمی رجالہ ثقات (مجمع الزوائد ج صـ ۱۶۹ - و مصنف ابن ابی شیبۃ ج صـ و رسالۃ سنیۃ رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ لمن شار صـ ۳۸ للعلامۃ محمدؒ بن عبد الرحمن الزبیدی الیمانیؒ - و نیل الفرقدین صـ ۱۲۴ وقال فی صـ ۱۲۷ قال السیوطی رجالہ ثقات)

بے شک آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ (امام ہیثمیؒ مجمع الزوائد میں اور امام سیوطیؒ اپنی کتاب فض الدعاء میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (رجالہ ثقات)

اور حضرت الاسود العامریؒ اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

صلیتُ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما انصرف رفع یدیہ ودعا - (رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ج صـ)

میں نے فجر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

اور یہ دعا کافی دیر تک ہوتی رہتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

کان رسول اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ یدعو حتی انی لاسأم لہ مما یرفعھما رواہ احمد بثلاثۃ اسانید ورجالھا کلھا رجال الصحیح مجمع الزوائد ج صـ ۱۶۹)

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعاء کیا کرتے تھے یہاں تک میں آپ کے دیر تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے اکتا جاتی تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) چند فقہی حوالے اور روایات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ روایات فقہیہ ہیں جن سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور دعا سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں۔

(نفائس مرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبہ ص۱۵)

اور سنتوں کے بعد دعا کے بارے ایک معترض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

چہارم یہ کہ سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا عدم جواز بھی اسی قول سے اور اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا احادیث سے ثابت نہ ہونا اس سے زیادہ اظہر ہے پس معترض کا سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو جائز کہنا اور فرضوں کے بعد کی دعا کو ناجائز کہنا تعسف و تحکم ہے (نفائس مرغوبہ ص۲۰) بعض علاقوں میں سنتوں اور نوافل کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا خاصا اور خوب اہتمام کیا جاتا ہے اور دعا نہ کرنے والے کو بنظر حقارت دیکھا جاتا ہے حالانکہ یہ کاروائی نری بدعت ہے علماء کو اس سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہئیے اور علی الخصوص علماء حق کو جو بعض علاقوں میں رسمی اور رواجی طور پر اس بدعت اور مکروہ فعل میں گرفتار اور مبتلا ہیں۔

نماز کے بعد جماعتی صورت میں بلند آواز سے دعاء

سابق ابحاث سے یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ ذکر اور دعا کا ایک ہی حکم ہے جس طرح بجز مستثنیٰ مواقع کے ذکر میں اخفاء اصل اور مطلوب ہے یہی حکم دعا کا بھی ہے مگر مزید چند صریح حوالے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

(۱) امام ابراہیمؒ بن موسیٰؒ بن محمد۔ الشاطبی المالکیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولو کان الاجتماع للدعاء اثر الصلوٰۃ جھرًا للحاضرین من باب البر والتقوٰی لکان اول سابق الیہ لکنہ، لم یفعلہ اصلًا ولا احد بعدہٗ حتی حدث ما حدث فدل علی انہ لیس علی ذٰلک الوجہ بر ولا تقوٰی۔

(الاعتصام ج۱ ص۳۰۲ و ص۳۰۳ طبع مصر)

اگر نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کے لئے حاضرین کا اجتماع نیکی اور تقویٰ کے باب سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سب سے پہلے سبقت لے جاتے لیکن یہ کاروائی نہ تو آپ نے کبھی کی اور نہ آپ کے بعد کسی اور نے کی یہاں تک کہ یہ بدعت پیدا ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نیکی اور تقویٰ کی مد سے نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد جہراً دعا کرنا نہ تو آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ آپ کے بعد حضرات خلفاء راشدینؓ اور ائمہ دینؒ سے اگر یہ کاروائی نیکی اور تقویٰ کی مد میں ہوتی تو ان حضرات سے یہ کبھی نہ چھوٹتی اور سب سے پہلے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمل کرتے لیکن آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا لیکن یہ یاد رہے کہ تعلیم دعا کا حکم الگ ہے اور اسی کتاب میں متعدد حوالوں سے ذکر اور دعا کی تعلیم کے لئے بقدر ضرورت جہر کرنا صراحت سے مذکور ہے اس لئے بلاوجہ غلط فہمی یا عمداً خلط مبحث اہل علم کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:-

واما الدعاء فیسر به بلاخلاف (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱) بہرحال دعا بالاتفاق آہستہ کی جائے اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے آہستہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) امام سراج الدین الاودی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

یستحب فی الدعاء الاخفاء و رفع الصوت بدعة و رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروہ وما یفعله الذین یدعون الوجد والمحبة لااصل له یمنع الصوفیة من رفع الصوت وتخریق الثیاب۔ (فتاوی سراجیہ ص ۷۲ طبع نولکشور لکھنؤ)	دعا میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہو اور دعا میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور قرآن کریم کے سماع اور وعظ کے وقت بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور جو کاروائی وہ لوگ کرتے ہیں جو وجد و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں اور حضرات صوفیاؒ کو آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے روکا جائے گا۔

فتاویٰ سراجیہ کے حوالہ سے یہ عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۳ طبع مصر میں بھی نقل کی گئی ہے۔

(۴) حضرت ملا علی القاریؒ الحنفیؒ امام حسن بصریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

ان القصص بدعة وان رفع الصوت بالدعاء لبدعة وان مد الایدی بالدعاء لبدعة وان اجتماع الرجال والنساء لبدعة۔ (موضوعات کبیر ص ۱ طبع محمدی لاہور)	قصے بیان کرنے اور دعا میں آواز بلند کرنا البتہ بدعت ہے اور دعا میں ہاتھوں کا (بہت مبالغہ سے) بلند کرنا بلاشبہ بدعت ہے اور مردوں اور عورتوں کا اجتماع بھی بلاشبہ بدعت ہے۔

ایک ہے قاعدہ کے مطابق دعا میں ہاتھ اٹھانا جس کو حضرات محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ دفع الایدی فی الدعاء سے تعبیر فرماتے ہیں وہ ثابت اور صحیح ہے، اور احادیث سے اس کا ثبوت ہے، ڈیڑھ سو حدیث اس میں مروی ہے اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حدیثیں تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔ تدریب الراوی ص۳۷۵ طبع مصر) اور ایک ہے افراط اور مبالغہ کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ استسقاء کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ج۱ ص۱۳۱) عمومی حالات میں نہیں اور اسی کو مدُّ الایدی بالدعاء لبدعۃ سے اس عبارت میں تعبیر کیا گیا ہے رہا قصول کا بیان کرنا تو اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر قصے صحیح سند سے ثابت ہوں اور عبرت اور موعظت کے لئے ان کو بیان کیا جائے تو بالکل بجا اور صحیح ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ اور فَلَمَّا قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ اور فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ وغیرہ اس کا واضح ثبوت ہے اور قرآن کریم سے ثبوت کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حضرت امام حسن بصریؒ کے ارشاد میں جن قصول کا تذکرہ ہے ان سے بے ثبوت اور بے سر و پا قصے اور خود ساختہ حکایتیں مراد ہیں جن کو عموماً واعظ اور غیر مستند لوگ بیان کرتے رہتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا اور ایسے ہی قصہ گو لوگوں کے بارے میں جناب رسول کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

سیکون بعدی قصاص لا ینظر اللہ الیھم ابو عمرو بن فضالہ فی امالیہ عن علیؓ صحیح۔ (الجامع الصغیر ج۲ ص۳۶ للسیوطیؒ)	میرے بعد قصے بیان کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر شفقت نہیں کرے گا یہ روایت صحیح ہے اس کو امام ابو بکر عمرؒ بن فضالہؒ نے اپنی کتاب امالی میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔

اور ایسے قصہ گو لوگوں کو حضرات سلف صالحینؒ مسجدوں سے نکال دیتے تھے اور ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ امام محمدؒ بن عثمان البلخیؒ الحنفیؒ (المتوفی ۸۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ

وابتغوا من فضل اللہ لا باجتماع القصص فھو بدعۃ وکانوا یخرجون القُصّاص من المسجد (عین العلم ص۹۴ طبع لاہور)	اور تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو لیکن نہ قصے جمع کرنے سے کیونکہ یہ بدعت ہے اور حضرات سلفؒ ایسے قصہ گو لوگوں کو مسجد سے

نکال دیا کرتے تھے۔

مگر صد افسوس ہے کہ آج کل اکثر لوگوں کو بجائے قرآن و حدیث کے لطف ہی ان بے سرو پا قصوں میں آتا ہے اور خالص توحید اور سنت کا بیان سننے سے ان کا مارے غصے کے حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔

(۵) مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ ندآءً خفیاً کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ای سرًّا فی جوف اللیل لان الذکر والدعاء سرًّا اکثر اخلاصًا والاخفاء سنۃ الدعاء (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۸۲)

کہ یعنی آہستہ رات کے اندر کیونکہ ذکر اور دعا میں اخفاء ہی سے اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور مخفی کرنا ہی دعا کی سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسنون طریقہ ہی دعاء کا یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے اور ریاء اور نمازیوں وغیرہم کو تشویش میں ڈالنے کا امکان بھی نہیں ہے۔

(۶) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) دعاء کے بارے میں طویل بحث نقل کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

تیسرا جزو خوب سمجھ لیجیے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنفیہؒ، شافعیہؒ، مالکیہؒ، حنابلہؒ) میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز کے بعد آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہؒ اور شافعیہؒ امام کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ دعا جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعا پر آمین کہہ سکیں اھ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۶۵ طبع کراچی مبوب) حضرات مالکیہؒ اور شافعیہؒ کی ضروری عبارتیں اسی کتاب میں مذکور ہیں جن میں اس کی صراحت موجود ہے کہ تعلیم کے بعد پھر جہر ترک کر دینا چاہیئے اور آہستہ دعا کرنی چاہیئے دوام جہر ان کے نزدیک بھی نہیں ہے اور اسی بحث میں آگے حضرت تھانویؒ ایک عبارت کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دعاء کا جہر تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۶۹ و ص ۵۷۰) اور ذکر کے بارے میں لکھتے ہیں ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے اھ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۶۸) حضرت

تھانویؒ نے ذکر بالجہر کی اجازت مشروط دی ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے مگر آجکل مشاہدہ ہے کہ تقریباً نوتانوے فی صدی ذکر بالجہر نمازیوں، بیماروں پڑھنے پڑھانے والوں اور دیگر لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) تحریر فرماتے ہیں :-

نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے اگرچہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے، مکروہ بہر حال مکروہ ہے اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولیت اور بہتری اس کے خلاف میں ہے۔ (نفائس مرغوبہ فی حکم الدعا بعد المکتوبہ ص طبع کراچی) اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے دو حوالے دیئے ہیں ایک السعایہ کا اور دوسرا فتاویٰ بزازیہ کا یہ حوالہ دوسری جگہ اسی کتاب میں مذکور ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ۔

فالاصل فی جملۃ الاذکار ھو الاخفاء نعم ورد الجھر بھا احیاناً لفائدۃ و داعیۃٍ ولا تثبت بہ السنیۃ وانما تثبت لو ثبت ان اکثر عملہ صلی اللہ علیہ وسلم کان بالجھر وقد ثبت عندی جھر الاذکار والادعیۃ کلھا تقریباً غیر التشھد والتسبیحات حتی جھر الآیۃ فی السریۃ ایضًا فدل علی ان معاملۃ الجھر والاخفاء ھینۃ عند الشرع لا ان الجاھر بالتامین متبع السنۃ والمسر بہ مخالف لھا وانما بالغ فیہ المبالغون فقط اھ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۱۵)

اصل تمام اذکار میں اخفاء ہی ہے ہاں بعض اوقات کسی فائدہ اور کسی داعیہ کی وجہ سے جہر بھی وارد ہوا ہے مگر اس سے سنیت ثابت نہیں ہوتی سنیت تو تب ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل جہر کا رہا ہو اور میرے نزدیک بلا شبہ تمام اذکار و ادعیہ کا جہر بغیر تشہد اور تسبیحات کے تقریباً ثابت ہے حتی کہ سری نماز میں بھی آیت کا جہر ثابت ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ جہر و اخفاء کا معاملہ شریعت میں نرم ہے یہی نہیں کہ بلند آواز سے آمین کہنے والا ہی متبع سنت ہے اور آہستہ آمین کہنے والا ہی سنت کا مخالف ہے مگر اس میں بلا وجہ مبالغہ کرنے والوں نے

مبالغہ کیا ہے ذکر بلند آواز سے آمین کہنے ہی
سے سنت پوری ہوتی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بلند آواز کے ساتھ دعا اور ذکر کرنے سے اس کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مثلاً آپ کا بعض اوقات جہر کرنا تعلیم کی خاطر ہوتا تھا اور کبھی کوئی اور فائدہ اور داعیہ پیش نظر ہوتا تھا اور اسی نظریہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سری نمازوں میں بھی کبھی کوئی آیت کریمہ جہر سے پڑھی اور آمین بھی کبھار جہر سے پڑھی لیکن اس سے اس کی سُنّیت ثابت نہیں ہوتی اس کے لئے تو مواظبت اور آپ کے اکثر عمل سے ثبوت درکار ہے جو یہاں مفقود ہے۔ یہ یاد رہے کہ جن حضرات نے نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کو جائز کہا ہے انہوں نے بھی اس کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ تعلیم کی قید اور کوئی مانع عارض نہ ہو کی قید کو ملحوظ رکھا ہے۔

دعا میں تجاوز ناپسندیدہ بات ہے۔

مذہب اسلام ایک ایسا فطری اور معتدل مذہب ہے جس میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں اس برحق مذہب میں ہر چیز کو حد اعتدال پر اور موزوں و مناسب موقع اور محل پر رکھا گیا ہے ذکر اور دعا عبادت ہے اور اس میں اخلاص اور اخفاء مطلوب ہے اور حد سے تجاوز شرعاً ناپسندیدہ امر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے سنا کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اے پروردگار میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید رنگ کا محل مانگتا ہوں اس پر والد محترم نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول یکون فی ھذا الامۃ قوم یعتدون فی الدعاء والطھور (مستدرک ج ۱ ص ۵۴۰ قال الحاکم والذھبی صحیح)	بے شک میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو دعا اور طہارت میں تجاوز کریں گے۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رفاتح ایران المتوفی ۵۵ھ) کی روایت میں آتا ہے آپ نے فرمایا کہ:۔

سیکون قوم یعتدون فی الدعاء (حم د عن سعد صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۶ طبع مصر)	عنقریب ایک قوم ایسی آئے گی جو دعا میں تجاوز کرے گی۔

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ

انی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سیکون قوم یعتدون فی الدعاء فایاك ان تکون منہم الحدیث۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۸)	بلاشبہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ بتاکید ایسی قوم آئے گی جو دعا میں تجاوز کرے گی پس تو اس سے گریز کر کہیں تو ان میں سے ہو جائے۔

دعا میں اعتداء اور تجاوز کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جہاں شرعاً دعا ثابت نہیں وہاں دعاء کی جائے مثلاً جنازہ کے ساتھ شریک ہونے والے چند قدموں کے بعد اجتماعی صورت میں دعاء مانگیں اور نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا مانگیں اور تیجہ ساتواں اور اس قسم کے متعین ایام میں اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر دعا مانگیں اور سنتوں اور نوافل کے بعد مل کر دعا مانگیں اور مثلاً جہاں بلند آواز کے ساتھ دعا ثابت نہیں وہاں بلند آواز سے دعا مانگیں جنازہ کے ساتھ ہو یا نماز کے بعد اور مثلاً یہ کہ جو چیز کسی کی حیثیت اور شان کے لائق نہ ہو وہ طلب کریں یہ اور اس قسم کی متعدد صورتیں اعتداء فی الدعاء میں داخل ہیں اور جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ پوری ہو کر رہی ہے اور یہ ساری صورتیں مشاہدہ میں آچکی ہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو افراط و تفریط سے بچائے اور راہ ہدایت پر قائم رکھے اور پاکیزگی میں تجاوز یہ کہ مثلاً ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس سے گذرے وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا اے سعدؓ یہ اسراف کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت

افی الوضوء سرف قال نعم ولو کنت علی ضفة نھر جار (غنیۃ المستملی ص ۳۳ طبع دیوبند)	کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اگرچہ تو جاری نہر کے کنارے پر ہی ہو۔

ظاہر بات ہے کہ نہر جاری ہو اور اس کے کنارے پر وضو کیا جائے تو پانی میں کیا کمی واقع ہو سکتی ہے؟ لیکن شرعاً اس موقع پر بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور اس کو اسراف کہا ہے۔

نماز کے لئے بلند آواز سے نیت کرنا؟

اس میں حضرات فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے کہ آیا نماز کے لئے تلفظ بالنیۃ درست ہے یا نہیں؟

چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زبان سے نیت کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ سو ایک قول جس پر امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اصحاب ہیں یہ ہے کہ تلفظ بالنیت مستحب ہے کیونکہ اس سے دل اور زبان کی موافقت اور تاکید و تائید ہوتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے جس پر امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے کچھ اصحاب ہیں کہ تلفظ بالنیت مستحب نہیں ہے بلکہ بدعت ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے منقول نہیں اس کے بعد انہوں نے اپنا مختار دوسرا قول بتا کر آگے یہ لکھا ہے کہ۔

وقد اتفق الائمة علی ان الجهر بالنية وتكريرها ليس بمشروع بل من اعتاده فانه ينبغى له ان يؤدب تاديبًا يمنعه عن التعبد بالبدع وايذاء الناس برفع صوته والله تعالیٰ اعلم۔
(فتاوی الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۱۵ طبع مصر)

اس پر حضرات ائمہ کرامؒ کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے اور بار بار نیت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جس شخص نے اس کی عادت بنائی تو مناسب ہے کہ اس کو ایسی سزا دی جائے جس سے وہ اس بدعت کے طریقے سے عبادت کرنے اور آواز بلند کر کے لوگوں کو اذیت دینے سے باز آجائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض مراقی قسم کے لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب تک زبان سے بلند آواز کے ساتھ نیت نہ باندھیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نیت نہیں ہوئی اس لئے وہ بار بار ایسا کرتے ہیں اس میں کئی خرابیاں جمع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ بلند آواز کے ساتھ نیت باندھنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے (جن بعض حضرات فقہاء کرامؒ نے زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ بلند آواز سے نیت کو ضروری سمجھا جائے) اور دوسری خرابی یہ ہے کہ ایسی کارروائی کا ثبوت حضرات ائمہ کرامؒ سے نہیں جب کہ دین وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہوا ہے اور جس پر انہوں نے عمل کر کے اللہ تعالے کا تقرب حاصل کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی کامل اتباع کر کے ایک بہترین نمونہ امت مسلمہ کے لئے چھوڑا ہے اور تیسری خرابی یہ ہے بلند آواز کے ساتھ نیت کرنے والے کی اس کارروائی سے باقی نمازیوں کو تکلیف اور تشویش ہوتی ہے اور کسی دوسرے کے ذہن کو پریشان کرنا خصوصًا جب کہ وہ نماز میں مصروف ہو کسی طرح بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض کم فہم اور جاہل لوگ

ایسے مراقی شخص سے یہ اعذ کریں گے کہ نیت باآواز بلند ہونی چاہیئے اور اس کی کاروائی ایک غلط امر کی ترویج واشاعت کا ذریعہ ہوگی اور پانچویں خرابی یہ ہے کہ مسجد میں بلاضرورت آواز بلند کرنا ویسے مکروہ ہے اور اس کا یہ عمل اسی کراہت کا حامل ہے۔

الغرض ایسے مراقی لوگوں کی یہ کاروائی کئی خرابیوں کا موجب ہے لہٰذا اس کو حضرات ائمہ کرامؒ نے پسند نہیں کیا اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ ایسے کاروائی پر اصرار کرنے والا موجب تعزیر وتادیب ہے تاکہ لوگوں کے لئے وہ عبرت بن سکے اور آئندہ کوئی شخص ایسی لایعنی کاروائی کا بھولے سے بھی ارتکاب نہ کرے۔ حضرت ملا علی القاریؒ یہ فرماتے ہوئے کہ علماء کرامؒ نے اس اتفاق کے بعد کہ بلند آواز کے ساتھ نیت کرنا مشروع نہیں ہے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا زبان کے ساتھ امام یا مقتدی یا منفرد کے لئے نیت کا تلفظ کرنا درست ہے یا نہیں؟ لکھتے ہیں کہ :-

فالاکثرون علیٰ ان الجمع بینهما مستحب لیسهل تعقل معنی النیة واستحضارها (مرقات ج۱ ص۴۰)	علما کی اکثریت اس پر ہے کہ دل اور زبان کی نیت کو جمع کر لینا مستحب ہے تاکہ نیت کے معنی کا سمجھنا اور اس کا حاضر کرنا آسان ہو۔

درود شریف کا حکم

درود شریف بھی ایک اعلیٰ اور عمدہ ذکر ہے اور جہر و اخفار کے بارے میں جو حکم دیگر اذکار کا ہے وہی حکم درود شریف کا ہے لیکن اس کے باوجود حضرات فقہاء کرامؒ نے اس کا حکم الگ بھی بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ اس میں اگر تعلیم مقصود نہ ہو تو اخفاء ہی مطلوب ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:۔

قاص عنده جمع عظیم یرفعون اصواتهم بالتسبیح والتهلیل جملة لا بأس به والاخفاء افضل ولو اجتمعوا فی ذکر الله تعالیٰ والتسبیح والتهلیل یخفون والاخفاء افضل عند الفزع فی السفینة او ملاعبتهم بالسیوف وکذا الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه واله واصحابه وسلم کذا فی القُنیة انتهی۔
(عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۹ طبع مصر)

اگر کسی واعظ کے پاس کوئی بڑی جماعت ہو جو اکٹھے ہو کر (دادِ تحسین دیتے ہوئے) تسبیح و تہلیل پڑھتے ہوئے آواز بلند کریں تو کوئی حرج نہیں مگر اخفاء افضل ہے اور اگر وہ جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح تہلیل پر جمع ہو تو آہستہ ہی پڑھے اور کشتی پر گھبراہٹ کے وقت اور تلواروں کے ساتھ کھیلتے وقت آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ واصحابہ وسلم پر درود بھی آہستہ ہی پڑھنا افضل ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

(نوٹ) عالمگیری کے بعض نسخوں میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے بجائے قاص کے قاض طبع ہو گیا ہے جو بالکل غلط ہے مفتی احمد یار خاں صاحب نے ایک کمال تو یہ کیا کہ لا بأس به کے جملہ تک عبارت نقل کر دی اور آگے والاخفاء افضل الخ ساری عبارت ترک کر دی اور

دوسرا کمال یہ کیا کہ طباعت کی غلطی نہ سمجھ سکے اور معنیٰ یوں کیا کسی قاضی کے پاس بڑی جماعت ہو الخ (ملاحظہ ہو جاء الحق ص۲۳۳) اور مؤلف ذکر بالجہر نے جمع عظیم سے لے کر لا باس بہ تک مفید عبارت نقل کر دی ہے اور اوّل و آخر کی عبارت گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر لی ہے۔ (دیکھئے ص۳۹) ظاہر بات ہے کہ درود شریف کا دلجمعی اور اخلاص سے پڑھنا جس طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے اسی طرح حضرت محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور اظہار عقیدت کا ایک عمدہ اور بہترین وسیلہ ہے لیکن اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ درود شریف آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور اس سے قبل بحر الرائق کا حوالہ بھی گذر چکا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک دو عبارتیں اس پر اور نقل کر دیں تاکہ بات بخوبی آشکارا اور عیاں ہو جائے حافظ ابن الہمام الحنفیؒ تلبیہ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

والمعنی فیه انها من شعائر الحج والسبیل فیما هو کذلك الاظهار والاشهار کالاذان ونحوه ویستحب ان یصلی علی النبی المعلم للخیر صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من التلبیة ویخفض صوته بذلك الخ (فتح القدیر ج۲ ص۱۴۷ طبع مصر)	اس کا مطلب یہ ہے کہ تلبیہ شعائر حج میں سے ہے اور ایسی چیزوں کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا اظہار و اعلان اور تشہیر کی جائے جیسے اذان وغیرہ اور مستحب یہ ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو معلم خیر ہیں درود شریف پڑھے لیکن درود شریف پڑھتے وقت اپنی آواز کو پست رکھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلبیہ تو بلند آواز سے پڑھے اس لئے کہ شرعاً اس کا اعلان و اظہار مقصود ہے لیکن جب درود شریف پڑھنے کی باری آئے تو پست آواز سے اور آہستہ پڑھے کیونکہ اس کا اعلان و اظہار مطلوب نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ بیان کرنے والا کوئی وہابی نہیں بلکہ ذمہ دار فقہاء احنافؒ ہیں اور بحر الرائق، عالمگیری اور فتح القدیر فقہ حنفی کی مستند ترین کتابیں ہیں اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں اور یہ مسئلہ صرف فقہاء احنافؒ کے ہاں نہیں بلکہ دیگر فقہاء کرامؒ بھی اس کو صاف لفظوں میں بیان اور تسلیم کرتے ہیں چنانچہ علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی الحنبلیؒ (المتوفی ۷۷۸ھ) لکھتے ہیں کہ :-

واتفق المسلمون على ان الصلوٰة على النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء کلہ سرًّا افضل بل الجهر ورفع الصوت بالصلوٰة بدعة ورفع الصوت بذٰلك او بالترضی قدام الخطیب فی الجمعة مکروہ او محرم بالاتفاق ومنهم من یقول سرًّا ومنهم من یقول یسکت (مختصر الفتاوی المصریة ص۹۲ طبع مصر)

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور دعا سب کی سب آہستہ افضل ہے بلکہ درود شریف کا بلند آواز سے جہراً پڑھنا بدعت ہے اور جمعہ کے دن خطیب کے سامنے بلند آواز سے درود شریف یا حضرات صحابہ کرام کا نام سُن کر رضی اللہ تعالیٰ کے الفاظ بلند آواز سے پڑھنے بالاتفاق مکروہ یا حرام ہیں بعض یہ فرماتے ہیں کہ آہستہ پڑھے (یعنی دل میں) اور بعض فرماتے ہیں کہ بالکل خاموش رہے۔

جس طرح پہلے صاف اور صریح حوالوں سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنا بدعت ہے اسی طرح اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا بھی بدعت ہے اور درود شریف اور دعا کے آہستہ افضل ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے لیکن اہل بدعت اور خواہش نفسانی کی پیروی کرنے والوں کو مسلمانوں کے اجماع و اتفاق سے کیا واسطہ؟ اور ان کو نصوص قطعیہ صریحہ سے کیا لگاؤ؟ اور ان کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے صریح ارشاد اور کتب فقہ حنفی کی واضح عبارات سے کیا تعلق اور سروکار؟ ان کو تو نت نئی نئی بدعات گھڑ گھڑ کے اپنے پیٹ کے دوزخ کے لئے ایندھن مہیا کرنا ہے اور گروہ بندی کو برقرار رکھنے کے لئے بجائے رب تعالیٰ کی خوشنودی کے عوام الناس کو اپنی کارگذاری بتانا ہوتی ہے ان کی ان بدعات پر عامل ہو کر کوئی تباہ و برباد ہو یا ان سے رستگاری حاصل کر کے نجات پالے اہل بدعت اس سے بے نیاز ہیں کیونکہ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

علمی خیانت

مفتی احمد یار خان صاحب نے امام نوویؒ کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن درمیانی حصہ جو ان کے قدرے خلاف پڑتا تھا بالکل پی گئے ہیں ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

يستحب لقارئ الحديث وغيره ممن في معناه اذا ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يرفع صوته بالصلوٰة عليه والتسليم ولا يبالغ في الرفع مبالغة فاحشة وممن نص على رفع الصوت الامام الحافظ ابوبكر الخطيب البغدادي وآخرون وقد نقلته الى علوم الحديث وقد نص العلماء من اصحابنا وغيرهم انه يستحب ان يرفع صوته بالصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم في التلبية والله تعالى اعلم۔ (كتاب الاذكار ص۱۰۷ طبع مصر)

حدیث شریف وغیرہ اور جو اس کے ہم معنیٰ ہے پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو بلند آواز سے آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے اور آواز بلند کرتے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے جن بزرگوں نے آواز بلند کرنے کی تصریح کی ہے ان میں امام حافظ ابوبکر الخطیبؒ اور دوسرے حضرات شامل ہیں اور میں نے اس کو علوم الحدیث میں نقل کیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب (شوافعؒ) وغیرہم نے تلبیہ کے موقع پر درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے استحباب کی تصریح فرمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفتی صاحب نے جاء الحق ص۳۳۲ میں درمیانی خط کشیدہ عبارت اور اس کا ترجمہ بالکل ترک کر دیا ہے نہ معلوم یہ کونسی علمی خدمت اور تقویٰ و دیانت ہے اس کا مطلب تو بالکل واضح اور صاف ہے کہ جس بزرگ ترین ہستی اور ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث پڑھی جا رہی ہے اس مبارک موقع پر قدرے بلند آواز سے درود شریف پڑھی جائے تاکہ آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں شامل حال ہوں اور سننے والے بھی متوجہ ہوں اور طلبہ حدیث کو آگاہی ہو کہ ہمیں بھی اس نیک اور مبارک عمل میں ان کی اقتدا کرنی چاہیئے لیکن ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ آواز بلند کرنے میں زیادہ مبالغہ اور افراط نہ اختیار کرنا چاہیئے بلکہ یہ رفع صوت حد اعتدال تک رہنا چاہیئے۔ امام نوویؒ کا یہ ارشاد کہ میں نے اس کو علوم الحدیث میں نقل کیا ہے یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو انہوں نے تقریب النواوی میں امام خطیب بغدادی الشافعیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

قال الخطيب ويرفع بها صوته اھ

علامہ خطیبؒ نے فرمایا کہ درود شریف پڑھتے وقت

(تقریب النواوی مع شرح تدریب الراوی ص۳۴۱ طبع مصر) (جب حدیث پڑھ رہا ہو تب۔ صفدر) اپنی آواز کو بلند کرے۔

مفتی احمدیار خان صاحب کا امام نوویؒ کی کتاب الاذکار کی عبارت سے مطلقاً درود شریف کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے پر استدلال صحیح نہیں ہے اولاً تو اس لئے کہ اس عبارت میں صرف دو مقامات پر رفع الصوت ثابت ہے ایک یہ کہ تلبیہ کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھے اور دوسرے حدیث شریف پڑھتے وقت اور ایسے ہی اس سے ملتے جلتے موقع پر مثلاً درس و تدریس کے موقع پر اس سے ہر ہر مقام پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا ثبوت کیسے ہوا؟ بس یہی ثابت ہوگا کہ ان مقامات میں بلند آواز سے پڑھے وثانیاً تلبیہ میں رفع الصوت خود شرعاً مطلوب ہے جیسا کہ باحوالہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس سے حضرات شوافع وغیرہم نے یہ سمجھا ہے کہ درود شریف بھی بلند آواز سے ہو، چنانچہ ان کی عبارت میں وقد نصّ العلماء من اصحابنا وغیرھم الخ اس کا واضح قرینہ ہے۔ اور امام نوویؒ نے المجموع شرح المہذب ج۸ ص۱۱۵ طبع مصر میں بھی تلبیہ کیطرح درود شریف بھی بلند آواز سے پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے لیکن علماء احنافؒ نے جن کی فقہی بصیرت مسلم ہے اور ان میں سے علی الخصوص حافظ ابن الہمام الحنفیؒ جن کو مولوی احمد رضا خان بریلوی بھی المحقق حیث أُطلِق سے تعبیر کرتے ہیں صرف تلبیہ میں رفع الصوت کے قائل ہیں، چنانچہ ان کا حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ جب تلبیہ سے فارغ ہو تو مستحب یہ ہے کہ درود شریف آہستہ پڑھے کیونکہ آواز بلند کرنے کا حکم صرف تلبیہ میں وارد ہوا ہے تو یہ اپنے مورد پر بند رہے گا اور درود شریف چونکہ ذکر ہے اس لئے اصل قاعدہ کے مطابق اس میں اخفاء ہی افضل ہوگا۔

اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا۔

اذان شعائر دین میں سے ہے اور نماز کی طرف دعوت دینے کا ایک شرعی ضابطہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ اور خیر القرون میں اسی شرعی حکم کو نماز کی دعوت لئے کافی سمجھا جاتا تھا مگر شعبان ۷۹۱ھ میں سرزمین مصر میں ایک ظالم اور راشی حاکم نجم الدین الطنبدی کے حکم سے اذان کے بعد بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی بدعت ایجاد ہوئی اور اس علاقہ میں اس کا اس قدر رواج ہوا کہ اس کو کار ثواب سمجھا جانے لگا حتیٰ کہ بعض جید مصری علماء کرامؒ نے

اس کو بدعت مانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ حسنہ کا پیوند لگایا لیکن اس کے حسنہ ہونے کی کوئی عقلی یا نقلی معقول دلیل وہ نہ پیش کر سکے اس کے برعکس دیگر علماء کرام نے اپنے اپنے انداز سے اس کی تردید کی اور لوگوں پر واضح کیا کہ یہ بدعت ہے اور نجات اور کامیابی سلف صالحینؒ کی پیروی میں ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اما ما احدث الناس قبل وقت الجمعة من الدعاء الیھا بالذکر والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو فی بعض البلاد دون بعض واتباع السلف الصالح اولی۔

انتھی (فتح الباری ج۲ ص۳۲۵ طبع مصر)

بہرحال لوگوں نے جمعہ کے وقت سے پہلے جمعہ کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں ذکر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی جو بدعت ایجاد کی ہے وہ بعض شہروں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے لیکن سلف صالحینؒ کا اتباع ہی سب سے بہتر ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے خالص علمی اور تحقیقی زبان میں نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اس کاروائی کو بدعت کہہ کر سلف صالحینؒ کی پیروی کی تلقین فرمائی ہے حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

فما یفعلہ المؤذنون الآن عقب الاذان بالصلوٰۃ والسلام مرارًا اصلہ سنۃ والکیفیۃ بدعۃ لان رفع الصوت بالذکر فیہ کراھۃ سیما فی المسجد الحرام لتشویشہ علی الطائفین والمصلین والمعتکفین۔

(مرقات ج۲ ص۱۶۱ طبع ملتان)

پس جو کاروائی اذان کے بعد اب مؤذن کرتے ہیں کہ بار بار الصلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں اصل درود شریف پڑھنا تو سنت ہے مگر یہ کیفیت بدعت ہے کیونکہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں کراہت ہے خصوصًا مسجد حرام میں کیونکہ اس سے طواف کرنے والوں، نمازیوں اور اعتکاف کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے۔

شیخ الصوفیہ امام عبدالوہاب الشعرانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ

قال شیخنا لم یکن التسلیم الذی یفعلہ المؤذنون فی ایام حیاتہ ولا الخلفاء

ہمارے شیخ نے فرمایا کہ آجکل مؤذن جس طرح سلام پڑھتے ہیں یہ طریقہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

الراشدین بل کان فی ایام الروافض بمصر اھ (کشف الغمہ ط ۲ ص ۱۲۷ طبع مصر)

وسلم کی زندگی میں تھا اور نہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں بلکہ اس کی ایجاد مصر میں رافضیوں کے دور حکومت میں ہوئی۔

تاریخ الخلفاء سیوطیؒ ص ۴۹۸ در مختار ط ۱ ص ۲۶۴ اور طحطاوی ص ۱۰۴ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ بدعت ۷۹۱ھ میں جاری ہوئی۔ اصل واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالانکہ مدار شریعت خوابوں پر نہیں اور نہ وہ شرعاً حجت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور راشی حاکم کے سامنے اس کو پیش کیا اس بے دین نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً قانوناً یہ بدعت جاری کردی۔ چنانچہ علامہ مؤرخ اسلام مقریزیؒ لکھتے ہیں۔ کہ وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے پاس گیا جو اس وقت نجم الدین محمد الطنبدی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا قضا و محاسبہ میں بداخلاق تھا ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا اور کمینگی اور بے حیائی کا پتلہ تھا حرام اور رشوت لینے سے دریغ نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی قرابت اور ذمہ کا اس کو پاس نہ تھا گناہوں پر بڑا حریص تھا اور اس کا جسم حرام سے پلا ہوا تھا اس کے نزدیک علم کا کمال بس دستار و جبہ تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ رضائے الٰہی اللہ تعالیٰ بندوں کو کوڑے لگانے اور عہدۂ قضا پر برابر چمٹے رہنے سے ہے اس کی جہالتوں کے قصے اور اس کے گندے افعال کی کہانیاں ملک میں مشہور تھے۔ (بحوالہ الابداع فی مضار الابتداع ص ۱۶۱ طبع مصر)

امام ابن حجر المکی الشافعیؒ اپنے فتاویٰ الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وقد استفتی مشائخنا وغیرھم فی الصلوٰۃ والسلام علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الاذان علی الکیفیۃ التی یفعلہ المؤذنون فافتوا بان الاصل سنۃ والکیفیۃ بدعۃ (بحوالہ الابداع ص ۱۶۳)

ہمارے مشائخ وغیرہم سے یہ فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان کے بعد جس کیفیت سے (مروجہ چلا چلا کر آجکل) مؤذن صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے! تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ اصل درود شریف پڑھنا تو سنت ہے لیکن یہ کیفیت بدعت ہے۔

"فتاویٰ ذخیرۃ السالکین" میں لکھا ہے کہ:۔

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اذان سے پہلے اور اذان کے بعد آنحضرت

قبل الاذان وبعده من محدثات	صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ان امور
الامور التی لم یکن فی عهد رسول الله	بدعات میں سے ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
صلے الله علیه وسلم والخلفاء الراشدین	اور حضرات خلفاء راشدینؓ اور حضرات تابعینؒ
والتابعین وتبعهم رضوان الله تعالٰے	اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں نہ تھا۔ اللہ تعالٰے ان
علیهم اجمعین۔ (بحوالہ غایۃ الکلام ص۱۲۹)	سب پر رضا ہو۔

اور مؤلف مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ اہلِ بدعت نے صرف اذان میں راگ ہی پر اکتفا نہیں کی۔

بل زادوا علیها بعض الکلمات من الصلوٰة	بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
والتسلیم علی النبی صلی الله علیه وسلم	گرامی پر صلوٰۃ وسلام کے بعض کلمات بھی زیادہ
وان کان مشروعا بنص الکتاب والسنّة	کئے ہیں درود شریف اگرچہ کتاب وسنت کی
وکان من اکبر العبادات واجلها لکن	نص سے ثابت ہے اور بڑی اور درجے والی
اتخاذها عادة فی الاذان علی المنارة	عبادات میں سے ہے لیکن منارہ پر اذان کے
لم یکن مشروعا اذ لم یفعله احد	وقت اس کے پڑھنے کو عادت بنا لینا مشروع
من الصحابةؓ والتابعینؒ ولا غیرهم	نہیں کیونکہ حضرت صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور ان کے علاوہ
من ائمة الدین ولیس لامرأٍ ان	ائمہ دینؒ میں سے کسی نے یہ کاروائی نہیں کی اور
یضع العبادات الّا فی مواضعها التی	کسی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو ان
وضعها فیها الشرع ومضی علیه	جگہوں میں کرتا پھرے جہاں شریعت نے ان کو
السلف (مجالس الابرار ص۳۰۷ طبع کانپور)	نہیں رکھا اور جس پر سلف صالحینؒ کا تعامل نہیں۔

اور علامہ ابن الحاج المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فالصلوٰة والتسلیم علی النبی صلی الله	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کو ان
علیه وسلم احدثوها فی اربعة مواضع	(اہل بدعت) نے چار جگہوں میں ایجاد کیا ہے
لم تکن تفعل فیها فی عهد من مضی	کہ ان مواقع میں سلف صالحینؒ کے زمانہ میں ایسا
والخیر کله فی الاتباع لهم مع انها	نہیں ہوتا تھا اور بھلائی سب ان کی پیروی میں
قریبة العهد بالحدوث جدًا او	ہے حالانکہ اس بدعت کی ایجاد کا زمانہ بہت ہی

هی عند طلوع الفجر من کل لیلۃ وبعد اذان العشاء لیلۃ الجمعۃ اھ (المدخل ج۳ ص۲۴۹ طبع مصر)

قریب ہے ان میں ایک جگہ ہر رات طلوع فجر کے وقت اور جمعہ کی رات عشاء کی اذان کے بعد ہے الخ

ذکر بالجہر بھی مشروط ہے:۔

جن اکابر نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے اس میں انہوں ان شرائط کو نظر انداز نہیں کیا جو ذکر بالجہر کے جواز کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ علامہ شامیؒ رفع صوت بذکر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اقول اضطرب کلام صاحب البزازیۃ فی ذالک فتارۃً قال انہ حرام وتارۃً قال انہ جائز وفی الفتاوی الخیریۃ من الکراھیۃ والاستحسان جاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجھر بہ نحو وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم رواہ الشیخان وھناک احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینھما بان ذالک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذالک بین احادیث الجھر والاخفاء بالقراءۃ ولا یعارض ذالک حدیث خیر الذکر الخفی لانہ حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام فان خلا مما ذکر فقال بعض اھل العلم ان الجھر افضل لانہ اکثر عملاً ولتعدی فائدتہ الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع

میں کہتا ہوں کہ صاحب بزازیہ کا کلام اس مقام میں مضطرب ہے کبھی تو وہ ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں اور کبھی جائز کہتے ہیں اور فتاویٰ خیریہ (ص۱۸۱ طبع مصر مؤلفہ علامہ خیر الدین الرملی الحنفیؒ المتوفی ۱۰۸۱ھ استاد علامہ حصکفیؒ) کے باب الکراہت والاستحسان میں ہے کہ حدیث میں ایسا ثبوت بھی آیا ہے جو طلب جہر کو چاہتا ہے مثلاً یہ کہ (رب العزت فرماتے ہیں) اگر کسی نے کسی جماعت میں میرا ذکر کیا تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں بخاریؒ اور مسلمؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو آہستہ ذکر کا تقاضا کرتی ہیں اور ان میں تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص واحوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف حالات پر محمول ہیں جیسا کہ بلند آواز سے ..... اور آہستہ قراءت کرنے والی حدیثوں کو اسی طرح جمع کیا گیا ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آتا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے۔

همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه
ويطرد النوم ويزيد النشاط اه
ملخصًا وتمام الكلام هناك
فراجعه وفى حاشية الحموى
عن الامام الشعرانى اجمع العلماء
سلفا وخلفا على استحباب الذكر
الجماعة فى المساجد وغيرها
الا ان يشوش جهرهم على نائم
او مصل او قارئ اه انتهى۔
(الشامى ج ۱ ص ۶۱۸ طبع مصر)

جو آہستہ ہو اس لئے کہ وہ اس پر محمول ہے جہاں
ریاء کا خوف یا نمازیوں یا سونے والوں کی اذیت
کا خطرہ ہو پس اگر ان مذکورہ مجبوریوں سے خالی
ہو تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جہر افضل ہے کیونکہ
اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین
تک متعدی ہے اور یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے
سو اس طریقہ سے وہ اپنی دلجمعی سے فکر کرے گا اور
اپنا کان اس کی طرف متوجہ کرے گا اور نیند کو دور
کرے گا اور خوشی کو بڑھائیگا الخ (ملخصا) اھ اس کی
پوری عبارت وہیں مراجعت کرکے دیکھ لیں اور
حمویؒ کے حاشیہ میں امام شعرانیؒ سے نقل کیا ہے
کہ سلفؒ و خلفؒ کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ
مساجد وغیرہ میں جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب ہے
مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا کسی
تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہے تو پھر
جہر درست نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ کی اس عبارت میں بعض باتیں قابل توجہ ہیں جن کو سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ الجھن
باقی نہ رہے۔

(الف) یہ کہ صاحب بزازیہ کے کلام میں اضطراب ہے کبھی تو وہ ذکر بالجہر کو حرام اور کبھی جائز
کہتے ہیں اور مؤلف ذکر بالجہر نے ص۵۹ میں بھی اس کا یوں ذکر کیا ہے۔ صاحبِ بزازیہ کا کلام ذکر
بالجہر کے بارے میں بظاہر مضطرب ہے لیکن حقیقت میں کوئی اضطراب نہیں کیونکہ وہ ذکر بالجہر
کو اس وقت منع کرتے ہیں جب اس میں کوئی مصلحت نہ ہو اور جب اس میں مصلحت ہو تو پھر
جائز ہے۔ انتہی بلفظہٖ مؤلف مذکور کے بس کا تو روگ نہیں البتہ علامہ شامیؒ پر ضرور تعجب ہوتا ہے کہ

اتنے بلند پایہ اور وسیع النظر محقق فقیہ کو صاحب بزازیہ کے کلام میں اضطراب کیسے نظر آیا؟ ہمیں تو ان کے کلام میں سرے سے کوئی اضطراب ہی نظر نہیں آرہا۔ اگر قارئین کرام غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ بات ان کو بھی بحمداللہ تعالیٰ آسانی سے سمجھ آجائے گی ہاں ضد کا کوئی علاج نہیں۔ اضطراب کے لئے یہ شرط ہے کہ نفی اور اثبات (اور یہاں ذکر جہر اور سر) کا مورد اور محل ایک ہو اگر محل الگ الگ ہو تو پھر اضطراب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ پھر مصلحت اور غیر مصلحت کے پیوند سے تطبیق دینے کی ضرورت پیش آتی ہے بات دراصل یہ ہے کہ صاحب بزازیہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر محققین علماء احنافؒ کے مطابق جہاں شریعت میں ذکر بالجہر ثابت نہیں اس مقام میں ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں کیونکہ ایسے موقع پر اصل ہی اخفاء ہے اور ذکر بالجہر کرنا اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے مخالف بھی ہے اور بدعت بھی اور جہاں خود شریعت نے نفس کر بالجہر کی اجازت دی ہے اس موقع پر وہ ذکر بالجہر کو جائز قرار دیتے ہیں مثلاً اذان خطبہ اور تلبیہ وغیرہ اور ان مقامات میں شرعاً جہر ثابت اور مطلوب ہے۔ الغرض جہاں انہوں نے ذکر بالجہر کو حرام کہا وہ اور مقام ہے اور جہاں اجازت دی وہ اور محل ہے جب محل الگ الگ ہے تو پھر اضطراب اور تعارض کیسے؟ ان کی پوری عبارت گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

واما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبة والحج اھ (بزازیہ ج ۳ ص ۳۷۵ علی ہامش الہندیہ)	اور بہر حال ذکر کے لئے آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ اور حج میں۔

اس عبارت میں موصوف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں شرعاً ذکر میں رفع الصوت محمود و مقصود ہے وہاں رفع الصوت جائز ہے اور اس کی مثال میں وہ اذان خطبہ اور حج میں تلبیہ کا ذکر کرتے ہیں اذان اور خطبہ کے بارے میں رفع الصوت کا باحوالہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور تلبیہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں ہے کہ

اتانی جبرائیل فامرنی ان امر اصحابی ان یرفعوا اصواتہم بالاھلال او بالتلبیة (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۳ وقال حسن صحیح ومؤطا امام مالک ص ۱۲۹ وابن ماجہ ص ۲۱۵)	میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو تلبیہ میں آواز بلند کرنے کا حکم دوں۔

اور حضرت ابو بکر الصدیقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا حضرت کونسا حج افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اَلعَجُّ وَالثَّجُّ۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) اس کا معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ

والعج هو رفع الصوت بالتلبية — عج کا معنیٰ تلبیہ میں آواز بلند کرنا اور ثج کا معنیٰ

والثج هو نحر البدن (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۲) — اونٹ وغیرہ جانور ذبح کرنا یعنی قربانی کرنا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حج اور احرام کی حالت میں بلند آواز سے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ کہنا شرعاً مطلوب ہے۔ الغرض صاحب بزازیہؒ نے نہ تو عموماً ذکر جہر کو جائز کہا ہے اور نہ مل کر بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ مسجدوں میں پڑھنے کو اور نہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کو جائز کہا ہے اس کو تو وہ بہرکیف حرام کی مد میں شمار کر کے حضرت ابن مسعودؓ کا عمل اس پر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کاروائی کرنے والوں کو بدعتی کہا اور مسجد سے نکال باہر کیا۔ اور خود علامہ شامیؒ بھی صاحب بزازیہؒ کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔

واما رفع الصوت بالذكر فجائز كما في الاذان والخطبة والجمعة والحج اه۔ — اور بہر حال ذکر میں آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ اور جمعہ اور حج میں۔

(شامی ج ۵ ص ۵۲۰)

الحاصل ایسے صاف اور صریح الفاظ اور واضح مثال کے ہوتے ہوئے صاحب بزازیہ کے کلام سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے اس ساری عبارت میں وہی کچھ فرمایا ہے جو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دیگر حضرات فقہاء احنافؒ نے فرمایا ہے کہ عمومی طور پر ذکر بالجہر بدعت ہے صرف ان مقامات اور مواقع میں جائز ہے جہاں شریعت نے اجازت دی ہے مثلاً اذان وغیرہ علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہم نے صاحب بزازیہؒ کے حوالہ سے یہ بات بھی پہلے عرض کی ہے کہ جب امام مقتدیوں کو ماثور دعائیں سکھلا رہا ہو اور مقتدی سیکھ رہے ہوں تو اس وقت تک جہر جائز ہے اور جب سیکھ چکے ہوں تو پھر ان کا جہر کرنا بدعت ہوگا (دیکھئے کتاب ہذا ص ۵۵) گویا اس حوالہ کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ نکلا کہ ذکر اور دعا سیکھنے اور یاد کرنے کے زمانہ میں جہر جائز ہے اور بعد کو بدعت ہے ایک کا زمانہ اور ہے اور دوسرے کا زمانہ اور ہے جب

دونوں حکموں کا محل اور مورد وزمانہ جدا جدا اور الگ الگ ہے تو اس صورت میں تعارض اور اضطراب کا کیا معنیٰ ؟

(ب) حدیث وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاٍءٍ (الحدیث) (بخاری ج۲ ص۱۱۰۱ و مسلم ج۲ ص۳۴۲ و مشکوٰۃ ج۱ ص۱۹۶) سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن اس سے علی التعیین اور قطعی طور پر عمومی ذکر مراد لینا ہی متعین نہیں بلکہ اس سے وعظ و نصیحت اور خطبہ و درس وغیرہ مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ الفاظِ حدیث کہ اگر کوئی شخص کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اس کی زیادہ تائید کرتے ہیں کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی جب جماعت میں ذکر کرتا ہو اور باقی سن رہے ہوں تو یہ وعظ و نصیحت اور خطبہ وغیرہ پر زیادہ چسپاں ہے اس سے عمومی ذکر پر استدلال قطعی نہیں اور پھر جہر کا اس میں صراحۃً نہیں بلکہ اقتضاءً ذکر ہے۔ اور علامہ آلوسیؒ ذکر بالجہر اور ذکر بالسر میں فقہاء کرامؒ اور علماء اسلام کے اختلاف کو مدنظر رکھ کر تطبیق دینے کے لئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وفصل آخرون فقالوا الاخفاء افضل عند خوف الریاء او کان فی الجھر تشویش علی نحو مصل او نائم او قاری او مشتغل بعلم شرعی و بتقدیم الجھر علی الاخفاء فیما اذ اخلا عن ذٰلک و کان فیہ قصد تعلیم جاھل او نحو ازالۃ وحشۃ عن مستوحش او طرد نعاس او کسل عن الداعی نفسہ او ادخال سرور علی قلب مؤمن او تنفیر مبتدع عن بدعتہ او نحو ذٰلک۔

(روح المعانی ج۸ ص۱۴۰)

اور دوسرے حضرات نے یہ تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ اخفاء اس مقام میں افضل ہے جہاں ریاء کا خوف ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے مثلاً نمازی یا سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا علم شرعی میں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی ہو اور جہر اخفاء پر مقدم ہوگا جو مقام ان خرابیوں سے خالی ہو اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے کی وحشت کو یا اونگھنے والے کی اونگھ کو یا خود دعا کرنے والے کی اپنے نفس سے سستی کو دور کرنا مقصود ہو یا کسی مومن کے دل میں خوشی داخل کرنے یا کسی بدعتی کو اسکی بدعت سے باز رکھنے کیلئے جہر کیا جائے یا اس جیسی کوئی اور وجہ ہو تو جہر بہتر ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب شامی کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں (جو اس کتاب میں نقل کی گئی ہے) اور اس کا وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں متقدمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی ہو۔ (جاء الحق ص۳۳۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کسی نماز، نیند، قرأت و تلاوت اور مطالعہ کتب اور تعلیم میں خلل پڑنے کا احتمال ہو وہاں ذکر بالجہر نہیں کرنا چاہیئے ہاں جہاں ایسا کوئی عارضہ نہ ہو اور اسکے ساتھ دوسرے امور (جن کا ذکر علامہ آلوسیؒ کی عبارت میں موجود ہے) میں سے کوئی امر ہو تو ذکر بالجہر میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً کسی جنگل بیابان میں یا اپنے مکان کی اندرونی کوٹھری میں جس سے آواز باہر نہ نکلتی ہو یا کوئی ایسی مسجد ہو جو بالکل خالی ہو یا کوئی خانقاہ ہو جس میں ذکر بالجہر سے کسی کے سکون و آرام میں خلل نہ پڑتا ہو تو بڑے شوق سے ذکر کرتا رہے۔

حضرت عائشہ (المتوفاۃ ۵۸ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک شخص کی قرأت سنی جو مسجد میں پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے اس نے مجھے فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت یاد کرادی جو مجھے بھول گئی تھی۔ (بخاری ج ۲ ص۷۵۳ و مسلم ج ۱ ص۲۶۷)

حضرت امام نوویؒ اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

منها جواز رفع الصوت بالقرأة في الليل وفي المسجد ولا كراهة فيه اذ لم يوذ احداً ولا تعرض للرياء والاعجاب ونحو ذالك (شرح مسلم ج ۱ ص۲۶۶)

ان میں سے ایک یہ ہے کہ رات کے وقت اور مسجد میں بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں جب کہ جہر سے کسی کو اذیت نہ دے اور نہ ریاء اور خود پسندی وغیرہ کا شکار ہو۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اسی مضمون کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الجواب:۔ اپنے ذکر کے اخفاء و اظہار میں آپ مختار ہیں اگر نیت اچھی ہے تو مضائقہ نہیں ہے مگر حتی الوسع اپنے عمل کا اخفاء مناسب ہے کیونکہ مآل کار ریاء کا اندیشہ ہو جاتا ہے، فقط والسلام رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص۱۰۹)

(ج) اس عبارت میں ذکر بالجہر اور ذکر بالسر کے اختلاف کو مختلف اشخاص اور احوال پر حمل کیا گیا ہے۔ اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ نہ تو ہر شخص کے لئے ذکر بالجہر جائز ہے اور نہ ہر حالت میں یہ جائز ہے۔

(د) اس عبارت میں اپنی شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کی اجازت دی گئی ہے، اور جماعتی شکل میں مل کر بھی مگر اس میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ کہ اگر ذکر بالجہر سے کسی نمازی یا سونے والے یا تلاوت وغیرہ کرنے والے کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر ذکر جہر کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ تو سعیدی صاحب اور ان کی جماعت ہی اپنے اہل محلہ سے پوچھ لیں کہ لاؤڈ سپیکر پر جب وہ چلّا چلّا کر ذکر کیا کرتے ہیں آیا اس سے لوگوں کی نمازوں، نیند اور سکون میں کچھ خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ عیاں راچہ بیان۔

علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وھذہ المسئلۃ لا یعلم فیھا خلاف بین احد من المتقدمین من اھل العلم اعنی منع رفع الصوت بالقرأۃ والذکر فی المسجد مع وجود مصل یقع لہ التشویش بسببہ اہ (المدخل ج۲ ص۱۰۶)	جب مسجد میں کوئی نمازی موجود ہو اور اس کو جہر کی وجہ سے تشویش لاحق ہوتی ہو تو مسجد میں بلند آواز سے تلاوت اور ذکر کرنے سے منع کیا جائیگا اس مسئلہ میں متقدمین اہل علم کا کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں صرف ایک ہی نمازی ہو اور قرأۃ اور ذکر سے اس کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو تمام متقدمینؒ کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اس کو جہر قرأۃ اور ذکر سے منع کیا جائے گا جو کچھ حضرات متقدمینؒ نے فرمایا متاخرین نے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جیسا کہ شامیؒ وغیرہ کی عبارات آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور اس سے قبل علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں۔

فالداخل الی المسجد یجد التشویش برفع الصوت بالذکر فی المسجد علی صلوتہ فیمنع کل ما یشوش علی المصلی اھ۔ (المدخل ج۱ ص۱۰۵)	یعنی مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے والا مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے سے ضرور اپنی نماز میں تشویش پائیگا سو جو کاروائی نمازی کیلئے باعث تشویش ہو اس سے منع کیا جائے گا۔

ذکر بالجہر کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی کا فتویٰ

مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ میں ہے۔ استفتا: اس دیار میں عرصہ دو ماہ سے لوگوں نے عجیب ایک نئی صورت ذکر کی جاری کی ہے وہ یہ ہے کہ نماز فرض کے سلام کے بعد زور سے تین چار بار سب مقتدی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے ہیں اور سر بھی دھنتے ہیں جب اللہ اکبر کہتے ہیں، کیا اس طرح سر دھن دھن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ اللہ اکبر کہا کرتے تھے فرض نماز کے بعد یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کیا کرتے تھے یا ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں یہ دستور ہوا یا امام کے شاگردوں سے یہ صورت کذائی ذکر کی منقول ہے اگر اس طرح کے ذکر ان حضرات میں سے کسی معتبر کتاب میں منقول ہوں تو ہم لوگ بھی ذکر خیر و کار خیر جان کر ذکر مذکور کو بہیئت کذائی رواج دیں اور اگر اس طرح کے ذکر امام اور شاگردانِ امام سے منقول نہیں تو پھر اس ذکر محدث کو کیا کہیں گے۔ اور ایسے ذکر سے لوگوں کو بصورت اختیار باز رکھیں یا اجازت کرنے کی دیویں اور ہمارے حنفی مذہب میں علاوہ اس محل خاص کے جو ذکر کہ ثابت ہے وہاں زور سے ذکر کرنا افضل ہے یا آہستہ۔ بینوا توجروا ——— ھو المصوب۔

اس قسم کا ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے اور ائمہ وغیرہ سے منقول نہیں اور بہ تصریح علماء حنفیہ وغیرہ حنفیہ ذکر بعد نماز کے سرًا مستحب ہے نہ جہرًا البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ بعد نماز کے جہرًا تکبیر کہتے تھے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے (اس کی بحث آگے اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ العزیز۔ صفدر) ابن عباسؓ سے قال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالتکبیر انتھٰی فتح الباری میں ہے الظاھر انہ لم یکن یحضر الجماعۃ لانہ کان صغیرًا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے وقت بخاری ج ۲ ص۶۳۷ کی روایت کے مطابق ان کی کل عمرؓ دس سال کی تھی صفدر) لا یواظب علیٰ ذالک فکان یعرف انقضاء الصلوٰۃ بما ذکر و قال غیرہ یحتمل ان یکون حاضرًا فی آخر الصفوف فکان لا یعرف انقضاءھا بالتسلیم وانما کان یعرفھا بالتکبیر انتھٰی لیکن شارح حدیث نے اس کو حالتِ جہاد وغیرہ پر محمول کیا اور سر کو جہر سے افضل قرار دیا اور بعضوں نے اس کو بعض اوقات پر محمول کیا اور التزام کو اس کے منع کیا کتاب المدخل لابن الحاج

المالکی میں ہے (اس کے بعد مدخل کی طویل عبارت نقل کی ہے جو اس حدیث سے متعلق ہے آخر میں ایک جواب میں مجاہدین اسلام کو بیان کر کے لکھتے ہیں صفدر)

فیستحب لهم ان یکبروا جهراً یرفعون اصواتهم لیرهبوا العدو فان لم یحمل علیٰ ذالك فیکون منسوخا بالاجماع لانه لا یعلم احد من العلماء یقول به انتهٰی

(پس ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ جہر کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہیں تاکہ وہ دشمنوں کو خوف زدہ کریں اگر اس توجیہ پر اس حدیث کو حمل نہ کیا جائے تو یہ اجماعاً منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ان کی بات ختم ہوئی)

اور بھی مدخل میں دوسرے مقام میں ہے کہ

والیحذروا جمیعاً من الجهر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰة ان کان فی جماعة فان ذالك من البدع انتهٰی

(اور مناسب ہے کہ سب کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد جماعتی رنگ میں بلند آواز سے ذکر اور دعاء کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ بدعت ہے۔)

اور علامہ شیخ الاسلام بدرالدین العینی الحنفیؒ بنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

قال ابوبکر الرازی قال مشائخنا التکبیر جهراً فی غیر ایام التشریق لا یسن الا بازاء العدو واللصوص وقیل وکذا فی الحریق والمخاوف کلها انتهٰی وفی نصاب الاحتساب اذا کبروا علیٰ اثر الصلوٰة جهراً یکره وانه بدعة یعنی سوی ایام النحر والتشریق انتهٰی (بنایه ج ص)

(کہ امام ابوبکر الرازیؒ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون نہیں مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح آگ لگنے اور بقیہ خطرات میں بھی ان کی بات ختم ہوئی اور نصاب الاحتساب میں ہے جب لوگ نمازوں کے بعد آواز سے تکبیر کہیں تو یہ مکروہ اور بدعت ہے مگر قربانی اور تشریق کے دنوں میں)

اور عبارات حنفیہ اس قسم کی بہت ہیں جن سے کراہت ذکر جہری بجز چند مواضع مستثناۃ کے ثابت ہوتی ہے تفصیل اس کی میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں موجود ہے الحاصل ذکر جہری بعد نماز کے سوائے ایام تشریق وغیرہ کے اگر احیاناً ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ جہر مفرط

نہ ہو اور ایسی اگر مقصود جہر سے تعلیم ہو اور بدون ان اغراض کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیساکہ سوال میں مذکور ہے خلاف طریقۂ نبویہ و طریقۂ سلف صالح ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ (مجموعۂ فتاویٰ ج۲ ص۴۶ و ص۴۷ و ص۴۸ طبع یوسفی برقی پریس فرنگی محل لکھنؤ)

اور دوسرے مقام پر ذکر بالجہر کے بارے میں طویل باحوالہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفی النہایۃ شرح الہدایۃ المستحب عندنا فی الاذکار المخفیۃ الا ما تعلق باعلانہٖ مقصود کالاذان والتلبیۃ انتہٰی وصرح کثیر من الحنفیۃ منہم صاحب الہدایۃ ان الجہر بالذکر بدعۃ والاصل فیہ الاخفاء والحاصل ان الجہر وان کان جائزا لکن المفرط منہ منہی عنہ والسر افضل من الجہر الغیر المفرط ایضًا کیف والجہر المفرط یستلزم مفاسد منہا ایقاظ النیام ومنہا شغل قلوب المصلین وہو یفضی الی سہوہم ومنہا ترک الخشوع عما ینبغی الی غیر ذالک من المفاسد التی لا تحصی وان شئت زیادۃ التفصیل فی ہذا فارجع الے رسالتی سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر۔ (مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ ج۲ ص۳۰۲)

نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک اذکار کو آہستہ پڑھنا ہے مگر جس چیز کے اظہار سے کوئی مقصود وابستہ ہو مثلاً اذان اور تلبیہ ان کی بات ختم ہوئی اور فقہاء احناف کی اکثریت نے جن میں صاحب ہدایہ بھی ہیں یہ تصریح کی ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اور اصل ذکر میں اخفاء ہے اور حاصل یہ ہے کہ جہر اگرچہ جائز ہے لیکن جہر مفرط ممنوع ہے اور آہستہ ذکر جہر غیر مفرط سے بھی افضل ہے اور کیوں افضل نہ ہو جبکہ جہر مفرط کئی خرابیوں کو مستلزم ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ سونے والوں کو جگانا ہے اور ایک یہ کہ نمازیوں کے دلوں کو (توجہ الی اللہ سے) مشغول رکھنا اور یہ ان کو بھلانے تک نوبت پہنچا دے گا اور ایک یہ کہ اس طرح ترک خشوع لازم آتا ہے اور اس قسم کے کئی مفاسد ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اگر اس مسئلہ کی تو تفصیل چاہتا ہے تو ہمارے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر کی طرف مراجعت کر۔

مولانا لکھنویؒ نے المدخل کا جو حوالہ دیا ہے اس کی کچھ مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابو عبداللہ محمد رح

بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکیؒ المتوفی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فان قیل قد وردت احادیث تدل علیٰ جواز الذکر والقرأۃ جھرًا وجماعۃً فالجواب ان الاحادیث الواردۃ فی ذالک محتملۃ للوجھین وجاء فعل السلف باحدھما فلاشک انہ المرجوع الیہ الخ (المدخل ج ۲ ص ۱۰۰ و ص ۱۰۱ طبع مصر)

اگر یہ کہا جائے کہ بلند آواز سے اور جماعتی صورت میں ذکر اور قرات کے بارے میں جواز کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں (ان کا کیا جواب ہے؟) تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں اس سلسلہ میں آئی ہیں وہ دو وجہوں کا احتمال رکھتی ہیں (ایک جہر کا اور دوسری اخفار کا) اور سلفؒ کا تعامل ان میں سے ایک وجہ (آہستہ قرأت و ذکر) سے آیا ہے تو کوئی شک نہیں کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے ذکر بالجہر کے جواز اور اثبات پر دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے ایک حضرت عبد اللہؓ بن الزبیرؓ کی اور دوسری حضرت ابن عباسؓ کی پھر ان کے دو جواب دیئے ہیں جس کی بحث آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ امام شاطبیؒ نماز کے بعد دعا اور ذکر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ثم نقول ان العلماء یقولون فی مثل الدعاء والذکر الوارد علیٰ اثر الصلوٰۃ انہ مستحب لا سنۃ ولا واجب وھو دلیل علیٰ امرین احدھما ان ھذہ الادعیۃ لم تکن منہ علیہ السلام علی الدوام والثانی انہ لم یجھر بھا دائمًا ولا یظھرھا للناس فی غیر مواطن التعلیم اذ لو کانت علی الدوام وعلی الاظھار لکانت سنۃ ولم یسع للعلماء ان یقولوا فیھا بغیر السنۃ اذ خاصیتہا حسبما ذکرہ الدوام والاظھار فی مجامع الناس اھ

پھر ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ علماء نے کہا ہے کہ دعاء اور ذکر جو نماز کے بعد وارد ہوا ہے وہ مستحب ہے سنت اور واجب نہیں ہے اور یہ دو چیزوں کی دلیل ہے اوّل یہ کہ یہ دعائیں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں دوامًا نہیں ہوتی تھیں اور دوسری یہ کہ آپ ہمیشہ ان کو بلند آواز سے نہیں ادا فرماتے تھے اور نہ تعلیم کی جگہوں کے بغیر ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر فرماتے تھے کیونکہ اگر یہ دعائیں ہمیشہ ہوتیں اور جہر کے ساتھ ہوتیں تو یہ سنت ہوتی پھر علماء کے لئے یہ گنجائش کہاں سے ہوئی کہ وہ اس کو سنت قرار نہ دیں؟ مسنون چیز کی خاصیت

(الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۹) علماء کرام کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ وہ دوا ما ہو اور لوگوں کے مجمعوں میں اس کو ظاہر کیا جائے۔

علامہ شاطبیؒ نے علمی اور فقہی طور پر جو نکتہ اٹھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے اور یہی علامہ شاطبیؒ چند جائز اور مستحب اُمور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فهذه اُمور جائزة او مندوب اليها ولكنّهم كرهوا فعلها خوفاً من البدعة الخ۔ پس یہ امور جائز یا مستحب ہیں لیکن حضرات علماء کرام نے ان کے کرنے کو مکروہ سمجھا ہے اس خوف کے مارے کہ بدعت پر عمل نہ ہو جائے الخ

(الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۶)

ہمارے حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالے اجماعتہم نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ جائز اور مستحب چیزوں پر اصرار کرنا بدعت ہے۔ (اس کی مزید تحقیق "راہ سنت" میں ملاحظہ فرمائیں)

مساجد میں رفع اصوات

مساجد کا ادب و احترام جس طرح شریعت نے ملحوظ رکھا ہے اور اس کی تاکید کی ہے کوئی بھی با شعور مسلمان اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا مساجد میں اذان و اقامت اور وعظ و نصیحت اور جہری نمازوں میں امام کی آواز کا بلند ہونا اور اسی طرح جو جواز کا رجہر سے ثابت ہیں) شرعًا ثابت ہے۔ اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں لیکن مستثنٰی امور کے علاوہ مسجدوں میں آواز بلند کرنا شرعی اصول کے خلاف ہے۔ حضرت سائبؓ بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے میری طرف سنگریزہ پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا جا ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ میں گیا اور ان کو لے آیا انہوں نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس قبیلہ اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ یا یہ فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ بولے ہم طائف کے باشندہ ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس (مدینہ کے) شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔

ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ج ۱ ص ۶۷)	تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔

بلاشبہ مسجد نبوی میں آواز بلند کرنا اس وجہ بھی ممنوع ہے کہ روضۂ اقدس کے اندر اپنی قبر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور عند القبر آپ صلوٰۃ وسلام وغیرہ سنتے ہیں اس لئے بھی آپ کی موجودگی میں نص قرآنی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الآیۃ

کے پیش نظر وہاں آواز بلند کرنا آپ کی اذیت اور تکلیف کا موجب ہے جس کا ممنوع ہونا ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس روایت میں حضرت عمرؓ نے مسجد کو بھی علت کے طور پر پیش کیا ہے اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ ایک حکم کی متعدد علتیں بھی ہو سکتیں ہیں۔ حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں منبر رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس تھا تیں میں ایک شخص نے کہا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد کوئی اور کام نہ کروں بجز حاجیوں کو پانی پلانے کے (یعنی پانی پلانے کا درجہ زیادہ ہے) دوسرا بولا کہ مجھے بھی پرواہ نہیں کہ میں مسجد حرام کی تعمیر و خدمت کے بغیر کوئی اور کام نہ کروں تیسرا بولا کہ ان امور سے جن کا تم نے ذکر کیا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لا ترفعوا اصواتکم عند منبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الحدیث

تم اپنی آواز کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو۔

(مسلم ج ۲ ص ۱۳۴)

اس حدیث کی شرح حضرت امام نوویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فیہ کراھۃ رفع الصوت فی المساجد یوم الجمعۃ وغیرہ وانہ لا یرفع الصوت بعلم ولا غیرہ عند اجتماع الناس للصلوٰۃ لما فیہ من التشویش علیھم وعلی المصلین والذاکرین واللہ تعالےٰ اعلم (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۴)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ جمعہ وغیرہ کے دن مسجدوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہوں اس وقت علم وغیرہ کی آواز بھی بلند نہ کی جائے کیونکہ اس طرح سے مسجدوں میں جمع ہونے والوں اور نمازیوں اور ذکر کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حضرت امام نوویؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سب مساجد کا یہی حکم ہے کہ ان میں آواز بلند نہ کی جائے علم کی ہو یا ذکر وغیرہ کی کوئی اور آواز لیکن یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہوں (عند اجتماع الناس للصلوٰۃ) اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے اور اسی طرح جو حضرات اپنے ذکر اور ورد میں مصروف ہوتے ہیں ان کی

توجہ میں کمی واقع ہوتی ہے لہٰذا مسجدوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اس کی بحث انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آرہی ہے کہ جب ذکر بالجہر نمازوں میں خلل پیدا کرتا ہے تو تم نمازوں کے بعد درس کیوں دیتے ہو؟۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت علیؓ (المتوفی ۴۰ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے (اس حدیث میں تقریباً پندرہ[1] نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ ان کا ضرور ظہور ہوگا۔ ان میں ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی کہ۔

وظهرت الاصوات فی المساجد۔ — مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔

(مشکوٰۃ ج۲ ص۴۷۰ وقال رواہ الترمذی والحدیث فی الترمذی ج۲ ص۴۴)

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام۔ — ہمارے بعض حضرات علماء کرام نے صراحت سے فرمایا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنی حرام ہے اگرچہ ذکر کی آواز ہی کیوں نہ ہو۔

(مرقات ج۱۰ ص۱۷ طبع ملتان)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تصریح ہے کہ مسجدوں میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو حرام ہے اور علامہ علاؤ الدین محمدؒ بن علیؒ الحصکفیؒ الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) آدابِ مسجد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقا وقیل ان تخطی وانشاد[1] ضالۃ اوشعر الا — مسجدوں میں سوال حرام ہے اور دینا مطلقاً مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر گردنیں پھاند کر

---

[1] حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے کسی شخص کو سنا کہ وہ مسجد میں کسی گمشدہ چیز کو طلب اور اس کا اعلان کر رہا ہے تو تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ چیز واپس نہ دلائے کیونکہ مسجدیں تو اس لئے نہیں بنائی گئیں کہ تم ان میں گم شدہ اشیاء کے بارے میں اعلان کرتے رہو (مسلم ج۱ ص۲۱۰ ومشکوٰۃ ج۱ ص۶۸) مگر صد افسوس ہے کہ اس وقت مسجدیں ہی ایسے اعلانات کا مرکز بنی ہوئی ہیں فوا اسفا۔ لہٰذا حکمران طبقہ کو چاہیئے کہ گمشدہ چیزوں کے اعلانات کیلئے الگ لاؤڈ سپیکروں کا انتظام کرے تاکہ مساجد کی بے حرمتی بھی نہ ہو اور حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ارشاد کی نافرمانی بھی نہ ہو۔

مافیہ ذکر ورفع صوت بذکر الا للمتفقھۃ اھ (در مختار مع شرح رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۶۱۷ طبع مصر)	سائل کو دیا تب مکروہ ہے اور اسی طرح گم شدہ چیز کا تلاش کرنا اور شعر پڑھنا بھی مگر ایسے اشعار جن میں نصیحت ہو اور اسی طرح ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا بھی حرام ہے مگر علم اور فقہ حاصل کرنے والوں کے لئے۔

یہ عبارت بھی صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ علامہ حلبی الحنفیؒ نے غنیۃ المستملی کے آخر میں احکام المساجد کی ایک فصل قائم کی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ یجب ان تصان عن ادخال الرائحۃ الکریھۃ الی قولہ ورفع الصوت والخصومۃ اھ یعنی واجب ہے کہ مسجدوں کو اس سے بچایا جائے کہ ان میں بدبودار چیزیں داخل کی جائیں...... اور اسی طرح آواز بلند کرنے اور جھگڑوں سے بچانا بھی ضروری ہے اس کے بعد مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے باسند حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت نقل کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جَنِّبُوْا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم الحدیث (کبیری صفحہ ۵۶۹ و ۵۶۰)	مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ نیز خرید وفروخت اور جھگڑوں سے بچاؤ اور اسی طرح مساجد میں اپنی آوازیں بلند کرنے سے بھی گریز کرو۔

یہ روایت مصنف عبد الرزاق جلد ۱ صفحہ ۴۴۲ طبع بیروت میں موجود ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجدوں میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس سے ایسی آواز مراد ہے جو بلا حاجت ہو اور ضرورت سے زائد ہو کما سیجیئ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فخر متاخرین علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) ذکر بالجہر کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وتری کثیراً من اھل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع	تم اپنے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جو دعا کے وقت چلانے کو اپنا شعار بنا لیے

حتیٰ یعظم اللغط ویشتد و تستك المسامع وتستد ولا یدرون انہم جمعوا بین بدعتین رفع الصوت و کون ذٰلك فی المسجد اھ (روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۹)	ہوئے ہیں خصوصیت سے جامع مسجدوں میں حتیٰ کہ ان میں اس قدر شدت سے شور وغل ہوتا ہے کہ کان بند ہو جاتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتیں جمع کر لی ہیں ایک دعا کے وقت آواز بلند کرنا اور دوسری مسجد میں آواز بلند کرنا۔

یہ شکوہ تو علامہ آلوسیؒ اپنے دور کا کر رہے ہیں جو تقریباً سوا سو سال آج سے پہلے کا دور ہے اور خیر القرون کے قریب ہے اور اغلب ہے کہ اس دور میں لاؤڈ سپیکر بھی نہ ہوں گے اگر ہوتے بھی تھے تب بھی بہت شاذ و نادر ہوں گے۔ علامہ موصوفؒ اگر آج ہمارے دور اور ہمارے علاقہ میں ہوتے تو خدا جانے کیا کیا شکوے کرتے؟

حافظ ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ورفع الصوت فی المساجد نہی عنہ و ھو فی مسجد النبی صلے اللہ علیہ وسلم اشد اھ (مناسک الحج ص ۳۶ طبع مصر)	مسجدوں میں آواز بلند کرنا ممنوع ہے اور مسجد نبوی میں اور سخت ممنوع ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر عموماً نام و نمود اور شہرت اور اپنے گروہی تعصب اور دوسرے عقائد کے لوگوں کو نیچا دکھانے اور تنگ کرنے کے لئے ہوتا ہے، گویا یوں کہہ دیجئے کہ اس کارروائی میں حُبِّ علیؓ کم اور بُغضِ معاویہؓ زیادہ ہوتا ہے اور اسی چیز کا شکوہ امام ابراہیمؒ بن موسیٰ الشاطبی المالکیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) یوں کرتے ہیں:-

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد فناشئ عن بدعۃ الجدال فی الدین (الاعتصام ج ۲ ص ۹۵ طبع مصر)	بہرحال مسجدوں میں آوازیں بلند کرنا تو یہ دین میں جھگڑا کھڑا کرنے کی وجہ سے بدعت گھڑی گئی ہے۔

امام شاطبیؒ کے اس حوالہ کے پیشِ نظر مسجدوں میں آواز بلند کرنا اور چلا چلا کر ذکر اور دعائیں کرنا للہیت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض جھگڑا اور جدال پیدا کرنے کے لئے یہ بدعت اختیار کی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو بدعات سے بچائے اور محفوظ

رکھے اور دوسروں کو بھی اس کی توفیق ارزاں فرمائے اس کے لئے کوئی شئی مشکل نہیں ہے۔

جمع ہو کر مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا۔

امام حافظ الدین محمدؒ بن محمد البزازی الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں:۔

وفی فتاوی القاضی رفع الصوت بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعودؓ انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جھرًا فراح الیھم فقال ما عھدنا ذلک علی عھدہ علیہ السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجھم عن المسجد اھ (فتاوی بزازیہ ج ۳ ص ۳۷۵ علی حاشیہ الہندیہ)

قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے صحت کے ساتھ یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور درود شریف پڑھتے ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ ہم نے یہ کاروائی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں نہیں دیکھی اور میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں بار بار یہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا بقول حضرت ابنؓ مسعود بدعت ہے اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا تفسیر فقہ اور علوم دینیہ میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعودؓ پسند کرے میں بھی تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں۔ (مستدرک ج ۳ ص ۳۱۹ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) اور ایک روایت میں ہے کہ جس چیز کو ابن مسعودؓ میری امت کے لئے پسند کرے میں اس پر راضی ہوں (ایضاً ج ۳ ص ۳۱۷) اور نیز ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو عبداللہؓ بن مسعود پسند نہ کرے میں بھی اس چیز کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۳۵۹) ملاحظہ فرمائیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر کس طرح اعتماد کا اظہار فرما رہے ہیں؟۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی امت کے لئے ایک زرین نصیحت مشکوٰۃ شریف میں رزینؒ کے حوالہ

سے یوں نقل کی گئی ہے۔

وعن ابن مسعودؓ قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم (رواہ رزین (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو اسے ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے جو فوت ہو چکے ہیں کیونکہ زندہ انسان پر فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی اطمینان نہیں ہوتا وہ بزرگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں وہ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے وہ بہت نیک دل اور بہت گہرے علم والے تھے اور بہت کم تکلف کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لئے چنا تھا اور دین کے قائم کرنے کے لئے ان کو انتخاب کیا تھا سو تم ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نشانات کی پیروی کرو اور جتنی بھی تمہیں توفیق ہو ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے تمسک کرو کیونکہ وہ راہ راست اور ہدایت پر قائم تھے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ اقلھا تکلفا کے جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ ذکر اور درود شریف مسجدوں یا گھروں میں حلقے بنا بنا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے (مرقات ج ۱ ص ۲۱۲)
اس روایت کو بریلوی جماعت کے محقق اور مصنف عالم مولوی عبد السمیع صاحب نے بھی نقل اور تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

چنانچہ حموی میں ہے فی فتاوی القاضی الجھر بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعودؓ انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جھرا

فراح الیهم وقال ما عهد ولذالك علیٰ عهده علیه الصلوٰة والسلام وما اراکم الا مبتدعین فمازال یذکر ذٰلك حتیٰ اخرجهم من المسجد اور روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے ان لوگوں کو فقط احداث ہیئت جدیدہ کے لئے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ یہ ذکر جہر کرنا ہی انکار سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے اور یہ ہی ہم کہتے ہیں کہ جو احداث مخالف امر شارع کی ہو وہ منع ہے الخ (بلفظہٖ انوار ساطعہ ص ۳۸ و ۳۹) یہ تو ایک بریلوی عالم کا مسلک اور عندیہ ہے اب آپ دو دیوبندی بزرگوں کا حوالہ بھی سن لیں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ) مسجد میں بلند آواز سے ذکر کے حرام ہونے کی بحوالہ حضرت ملا علی ن القاریؒ تصریح فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو العرف الشذی ص ۱۲۰) اور عہد حاضر کے جید عالم محدث اور فخر الاماثل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم بھی مسجد میں بلند آواز سے ذکر کی ممانعت کی صراحت فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو معارف السنن ج ۲ ص ۳۶۴) رہا مؤلف ذکر بالجہر کا ص ۹۰ میں) یہ حوالہ کہ امام احمدؒ بن حنبلؒ کی کتاب الزہد میں حضرت ابو وائلؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ کے بارے گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے تھے حالانکہ میں نے ان کے ساتھ کسی مجلس میں شرکت نہیں کی مگر وہ اس مجلس میں ذکر بالجہر کرتے تھے (محصلہ) تو ان کو سود مند نہیں اولاً اس لئے کہ اس کی سند اور پھر اس کی صحت اور اتصال درکار ہے محض حدیث صحیح کہنے سے صحیح نہیں ہو جاتی یا کم از کم مستند علماء اس کو صحیح قرار دیتے ہوں بخلاف ان کی نہی کی روایت کے جس کو وہ قد صح سے تعبیر کرتے ہیں وثانیاً نہ تو اس روایت میں مسجد کی قید ہے اور نہ اجتماعی رنگ کا ذکر ہے وثالثاً اگر ثابت بھی ہو تو یہ تعلیم پر محمول ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ نے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے سمجھنے میں ایک غلطی کی ہے۔ حضرت ملا علی ن القاریؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وفیہ نظر من وجوہ منہا نسبۃ نفی مطلق الکراھۃ الی الامام الاعظم وھو افتراء علیہ اذ مذھبہ کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر نعم تجوز التدریس فی المسجد والبحث فیہ حیث لم یشوش علی المصلین اولم یکن ھناك

کہ اس میں کئی وجوہ سے کلام ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مطلقاً کراہت کی نفی کی نسبت حضرت امام ابو حنیفہؒ پر افتراء ہے کیونکہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو ہاں انہوں نے مسجد میں تدریس اور علمی بحث

المصلون (مرقات ج ۲ ص ۲۲۳ طبع امدادیہ ملتان) کی اجازت دی ہے جب کہ اس سے نمازیوں کو تشویش نہ ہو یا مسجد میں سرے سے نمازی ہی نہ ہوں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ آپ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں تو اس سے آپ کی کیا مراد ہوتی ہے؟ فرمایا التحریم یعنی حرام (حاشیہ ہدایہ ج ۴ ص ۱۸۲) اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ وہ مکروہ کو حرام سمجھتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں ھو الی الحرام اقرب (ہدایہ ج ۴ ص ۱۸۵) کہ مکروہ حرام کے قریب تر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

پس مکروہے کہ مقابل مباح است مکروہ تحریمی است۔ پس جو مکروہ مباح کے مقابل ہوتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

(مکتوب ص ۲۹ دفتر اول حصہ اول ص ۹۰ طبع لاہور)

جن حضرات فقہاء احنافؒ نے مسجد میں بلند آواز سے ذکر کو حرام کہا ہے (جیسا کہ مرقات ہی کا ایک حوالہ پہلے گذر چکا ہے) تو اس فتویٰ کی بنیاد بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس مسلک پر ہے اور جن حضرات نے مثلاً علامہ حصکفیؒ وغیرہ کما مر) کراہت کا اطلاق کیا ہے تو اس سے مراد بھی کراہت تحریم ہے، اب حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک واضح سے واضح تر ہو گیا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جدا بدعت ہے اور مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا الگ بدعت ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض ہو چکی ہے کہ مساجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے والے دو بدعتوں کے مرتکب ہیں یعنی ڈبل بدعتی ہیں۔ اب سعیدی صاحب اور ان کے حواری ہی بتلائیں کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے والے حنفی ہیں یا منع کرنے والے؟ اور مسجدوں میں ذکر بالجہر کرنے والے بدعتی ہیں یا منع کرنے والے؟ بات صاف ہو۔

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت وای غریم فی التقاضی غریمها

مساجد میں دنیوی باتیں اور شور وغل وغیرہ درست نہیں۔

مسجد ایک ایسا مقام ہے جہاں سے معرفت خداوندی اور سنت نبوی (علی صاحبہا الف

الف تحیۃ، حاصل ہوتی ہے اس کا ادب و احترام ہر مسلمان کا فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان فی بیوت اذن اللہ ان ترفع اس پر شاہد عدل ہے، اللہ تعالیٰ کے ان پاکیزہ گھروں اور دین اسلام کے ان مضبوط قلعوں کی ظاہری و باطنی حفاظت اسلام کا بنیادی تقاضا ہے مگر صد افسوس ہے کہ آجکل بعض مسجدیں محض پیٹ پروری کا ذریعہ اور سستی شہرت کا وسیلہ سمجھی جاتی ہیں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تاتوھا تسعون وأتوھا تمشون وعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔ (ابوداؤد ج۱ ص۸۴)

جب نماز قائم کی جائے تو تم دوڑ کر نماز کی طرف نہ آؤ، بلکہ آہستہ چل کر آؤ اور تم پر سکون اور آہستگی لازم ہے سو جو حصہ تم امام کے ساتھ حاصل کرلو تو اس کے ساتھ پڑھو اور جو حصہ تم سے چھوٹ گیا ہو اس کو پورا کرو۔

اور اس نہی کی ایک وجہ یہ ہے کہ دوڑ کر نماز میں شامل ہونے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی جو ناپسندیدہ امر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لیلینی منکم اولوا الاحلام والنہی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم وایاکم وھیشات الاسواق (مسلم ج۱ ص۱۸۱ ترمذی ج۱ ص۳۱ ومشکوٰۃ ج۱ ص۹۸)

مناسب ہے کہ تم میں سے تجربہ کار اور عقل والے میرے قریب ہوں پھر ان کے پیچھے وہ ہوں جو تدبر میں اُن کے قریب ہوں پھر ان کے پیچھے وہ ہوں جو ان کے قریب ہوں اور تم بازاروں کی طرح (مسجدوں میں) شور و شغب سے پرہیز کرو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اور خصوصیت کے ساتھ جماعت کے وقت بازاروں کی طرح شور و غل کرنا مذموم فعل ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرنا اور شور و غل برپا کرنا کوئی نیکی اور کار ثواب ہے عام بازاری قسم کے لوگ شاید اس کو جائز یا ہنر تصور کرتے ہوں مگر اسلام نے اس پر بھی پابندی عائد کی ہے اسلام کسی کے سکون میں خلل اندازی کو ہرگز برداشت نہیں کرتا بخاری شریف میں تورات کے مجموعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خوبیاں اور کمالات بیان کئے

گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ولا صخّاب فی الاسواق (بخاری ج۱ ص۲۸۵ و ج۲ ص۷۱۱) — کہ آپ بازاروں میں شور و غل بپا نہیں کریں گے۔

حضرت امام بخاریؒ نے پہلی جلد میں اس حدیث پر باب یہ قائم کیا ہے باب کراھیۃ الصخب فی السوق۔ یعنی وہ باب جس میں یہ بیان ہوگا کہ بازار میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ کتاب یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۲ میں ہے وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کریگا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اور ظاہر امر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امّت کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجا ہے سو آپ کا یہ نمونہ امّت پر بھی لازم ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنّ اللہ یُبغض کل جعظری جوّاظ صخاب فی الاسواق جیفۃ باللیل حمار بالنہار عالم بامر الدنیا جاھل بامر الآخرۃ (موارد الظمآن ص۴۸)

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ہر ایسے شخص سے بغض کرتا ہے جو متکبر اور مال جمع کرنے والا اور خرچ نہ کرنے والا ہو اور بازاروں میں شور مچاتا ہو، رات کو مُردار کی طرح پڑا رہے (نماز تہجد سے غافل ہو) اور دن کو (کام کے لئے) گدھا بنا رہے، دنیا کے کاموں کو تو خوب جانتا ہو اور آخرت کے معاملہ سے غافل ہو۔

یعنی دنیوی امور کا تو وہ ماہر ہو مگر دین اور آخرت کے مسائل سے وہ بالکل ناواقف ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ آجکل مساجد کا شرعی ادب واحترام بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اب تو وہ دور آگیا ہے اور وہ زمانہ آگیا ہے جس کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذیل کی حدیثوں میں فرمائی گئی پیشگوئیاں حرف بحرف پوری نظر آتی ہیں:۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

سیکون فی آخر الزمان قوم یکون حدیثھم — آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جن کی باتیں مسجدوں

فی مساجدهم لیس لله فیهم حاجة
(موارد الظمآن ص۹۹)

میں ہوں گی ان کی اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں (یعنی وہ ان سے راضی نہیں)

یہ باتیں دین کی تو ہو نہیں سکتیں کیونکہ شرعی قواعد کے مطابق ان باتوں کی نشر و اشاعت کے مراکز ہی مساجد ہیں اور مساجد ہی سے صدیوں یہ کارِ خیر وابستہ چلا آ رہا ہے۔ یہ باتیں دنیوی ہو سکتی ہیں اور آج کل مساجد میں ان کی کوئی کمی نظر نہیں آتی چنانچہ امام نصر بن محمدؒ بن ابراہیم السمرقندی الحنفیؒ (المتوفی ۳۹۳ھ) یوں روایت کرتے ہیں۔

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال یاتی علیٰ امتی زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم لامر دنیاهم لیس لله فیهم حاجة فلا تجالسوهم

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ ان کی دنیوی باتیں ہی مسجدوں میں ہوں گی اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں سو تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔

(تنبیہ الغافلین ص۱۱۲ طبع مصر)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

یأتی علی الناس زمان یتحلقون فی مساجدهم ولیس همتهم الا الدنیا لیس لله فیهم حاجة فلا تجالسوهم۔
(مستدرک ج۴ ص۳۲۳ قال الحاکمؒ والذهبیؒ صحیح وقال العراقیؒ صحیح الاسناد
تخریج الاحیاء ج۱ ص۱۳۶ للعراقیؒ)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگ مسجدوں میں حلقے باندھیں گے اور ان کا مقصد صرف دنیا ہو گی اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں پس تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔

مساجد میں صرف دنیا کمانے کی خاطر تعلیم و تدریس اور ختم شریف اور گیارھویں وغیرہ کے نام پر تحصیل زر سب اس کا مصداق ہیں اور حضرت عبداللہؓ عمرؓ فرماتے ہیں کہ

یأتی علی الناس زمان یجتمعون فی مساجدهم ویصلون ولیس فیهم مؤمن۔
(مستدرک ج۴ ص۴۴۲ قال الحاکمؒ والذهبی صحیح)

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں میں جمع ہوں گے اور نمازیں بھی پڑھیں گے مگر ان میں ایک بھی مومن نہ ہو گا۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے ختم نبوت کے منکر، منکرین حدیث اور غالی مشرک وغیرہ سب اس حدیث کی زد میں ہیں، اللہ تعالےٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ

وقد صرح ابن الھمام بان المباح من الکلام فی المسجد مکروہ یاکل الحسنات فکیف فی الطواف وھو فی حکم الصلوٰۃ الخ (المسلک المتقسط ص۱۱۱)

امام ابن الہمامؒ نے تصریح کی ہے کہ مباح کلام بھی مسجد میں مکروہ ہے اور یہ کلام نیکیوں کو کھا جاتا ہے پس بوقت طواف یہ کلام کیونکر درست ہوگا طواف نماز کے حکم میں ہے۔

یعنی جس طرح نماز عبادت اور بندگی ہے اسی طرح طواف کعبہ بھی عبادت ہے مگر اس میں بضرورت کلام کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طواف نماز ہی کی مثل ہے مگر اس میں تم کلام کر سکتے ہو (اوکما قال المسلک المتقسط ص۱۱۱ طبع مصر)

علامہ حسینؒ بن محمدؒ سعید عبد الغنی المکی الحنفیؒ اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

قیدہ فی الظھیریۃ بان یجلس لاجلہ فانہ حینئذ لایباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا و فی صلوٰۃ الجلابی الکلام المباح من حدیث الدنیا یجوز فی المسجد و ان کان الاولیٰ ان یشتغل بذکر اللہ تعالیٰ کذا فی التمرتاشی ھندیۃ۔ (ارشاد الساری الی مناسک ملا علی القاریؒ ص۱۱۱ طبع مصر)

ظہیریہ میں اس کو اس بات سے مقید کیا ہے کہ دنیوی کلام ہی کی خاطر مسجد میں بیٹھے تب بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد دنیوی امور کے لئے نہیں بنائی جاتی اور جلابی میں نماز کی بحث میں ہے کہ دنیوی مباح قسم کی بات مسجد میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مشغول ہو اسی طرح تمرتاشی میں ہے۔ (عالمگیری)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی امور کی باتیں کرنے کے لئے قصداً مسجد میں بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے، ہاں اگر مسجد میں نماز تعلیم و تعلم اور وعظ و نصیحت سننے کے لئے گیا ہو اور بالتبع ضمناً دنیوی باتیں بھی ہو جائیں تو تمرتاشیؒ (امام شمس الدین محمدؒ بن عبد اللہؒ بن احمد التمرتاشی الحنفیؒ

المتوفی ۱۰۰۴ھ مؤلف تنویر الابصار وغیرہ) کے حوالے کے پیش نظر گنجائش ہے لیکن اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہ مباح کلام بوقت حاجت اور بقدر ضرورت ہو اگر حاجت کے بغیر محض دل لگی کے لئے ہو یا قصداً و ارادۃً ضرورت سے زیادہ ہو تو پھر بھی اس کی اجازت نہ ہوگی حضرت ملا علی القاریؒ طواف کے وقت مکروہات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

الکلام الفضول اما ما یحتاج الیہ بقدر الحاجۃ فمباح کما سبق اھ (المسلک المتقسط ص۱۱۲)	فضول کلام بھی مکروہ ہے ہاں جس کلام کی حاجت ہو تو بقدر حاجت وہ مباح ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور ارشاد الساری میں ہے کہ

قید الشیخ عبد اللہ العفیف فی منسکہ اباحۃ الکلام باحتیاجہ الیہ وبہ یزول التناقض اھ (ص۱۱۱)	شیخ عبد اللہ العفیفؒ نے اپنی منسک میں یہ قید لگائی ہے کہ کلام مباح کی اس وقت گنجائش ہے جب اس کی حاجت پڑے اور اس سے تعارض دور ہو جائے گا۔

فتاویٰ ہندیہ کی جس عبارت کا اوپر حوالہ آیا ہے وہ پوری اس طرح ہے کہ:۔

الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا وفی خزانۃ الفقہ مایدل علی ان الکلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام قال ولا یتکلم بکلام الدنیا وفی صلوۃ الجلابی الکلام المباح من حدیث الدنیا یجوز فی المساجد وان کان الاولی ان یشتغل بذکر اللہ تعالیٰ کذا فی التمرتاشی (عالمگیری ج ۵ ص۳۵۶ طبع مصر)	مسجد میں باتوں کے لئے بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد دنیوی امور کے لئے تو نہیں بنائی جاتی اور خزانۃ الفقہ میں ایسا مضمون ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ دنیوی مباح قسم کی باتیں مسجد میں حرام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ دنیوی باتیں نہ کرے اور جلابی کے باب الصلوٰۃ میں ہے کہ دنیوی مباح باتیں مسجد میں جائز ہیں اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اسی طرح تمرتاشی میں ہے۔

لیکن مجوزین حضرات کے نزدیک سابق تفصیل کو ملاحظہ رکھنا چاہیئے کہ کلام مباح بوقت حاجت ہو اور بقدر ضرورت ہو۔ علماء اسلام میں جو زیادہ آزاد خیال گذرے ہیں وہ علامہ ابن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) ہیں مگر وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ۔

والتحدث فی المسجد بما لا اثم فیه من امور الدنیا مباح وذکر الله تعالیٰ افضل (محلی ابن حزم ج ۴ ص ۲۴۱ طبع منیریہ مصر)	مسجد میں دنیوی معاملات کی ایسی باتیں کرنا جن میں گناہ نہیں مباح ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر افضل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس بات میں گناہ ہو مثلاً یہ کہ کسی کی غیبت ہو کسی سے تمسخر ہو یا کسی کی دل آزاری کی بات ہو وغیرہ وغیرہ تو وہ جس طرح مسجد کے باہر جائز نہیں مسجد کے اندر بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسجد میں ان خلاف شرع امور کا گناہ اور وبال اور زیادہ ہوگا ہاں جائز قسم کی باتیں بقدر ضرورت وحاجت مباح ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ان سے بہت افضل و بہتر ہے۔

مسجد میں تعلیم کے لئے آواز بلند کرنا جائز ہے۔

مرقات کے سابق حوالہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسجد میں تعلیم و تدریس اور علمی بحث اور گفتگو کی اجازت دی ہے لیکن اس شرط سے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو لہٰذا سعیدی صاحب کا یہ طنزیہ مشورہ کہ پھر تو تقریریں اور درس بھی بلند آواز سے ختم کر دینا چاہیئے لیکن درس اور تقریریں اس لئے تم ختم نہیں کرو گے کہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے (محصلہ ص ۳۱) ایک طفلانہ مشورہ ہے جس کا جواب یہ ہے۔

الجواب۔ اہل السنت والجماعت مسجدوں میں اس لئے بلند آواز سے تقریریں اور درس نہیں دیتے کہ یہ ان کی روزی کا مسئلہ ہے روزی کے ذرائع اللہ تعالیٰ نے بے شمار رکھے ہیں اور وہ اسی میں بند نہیں یہ حضرات تقریر اور درس اس لئے بلند آواز سے دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ کے موقع پر وعظ و نصیحت کرتے ہوئے آواز بلند کی (کما مر) اور اس لئے یہ آواز بلند کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسجدوں میں اس کی اجازت دی ہے اور حنفی المسلک کو اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیئے اور

بحمداللہ تعالیٰ ہم دیگر عقائد اور مسائل کی طرح اس میں بھی حضرت امام اعظمؒ کی پیروی کرتے ہیں آپ لوگ جس کی چاہیں پیروی کریں کیونکہ ع

نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری اس مسجد میں آئے اور اس کے آنے کی غرض صرف یہ ہو کہ وہ خیر (یعنی علم و عمل) سیکھنا چاہتا ہے یا سکھانا چاہتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے مجاہد فی سبیل اللہ الحدیث (ابن ماجہ ص۲۰ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ج۱ ص۳۴)

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں :۔

یتعلمہ او یعلمہ او للتنویع وفیہ دلالۃ ظاھرۃ علی جواز التدریس فی المسجد خلافا لما تقدم عن الامام مالکؒ ولعلہ منع دفع الصوت المشوش فھو بمنزلۃ المجاھد فی سبیل اللہ من حیث ان کلا منھما فرض کفایۃ اھ (مرقات ج۲ ص۲۲۱)

سیکھے یا سکھائے اس میں حرف اَو (تشکیک کے لئے نہیں بلکہ) تنویع کے لئے ہے اور اس میں کھلی دلالت ہے کہ مسجد میں تدریس جائز ہے بخلاف اس کے جو پہلے حضرت امام مالکؒ کے حوالہ سے بیان ہوا (کہ مسجد میں علم کی آواز بھی نہیں بلند کی جاسکتی) اور شاید کہ انہوں نے ایسی آواز سے منع کیا ہو جو موجب تشویش ہوتی ہو تو ایسا شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ (علم حاصل کرنا اور جہاد کرنا) دونوں فرض کفایہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح عام حالات میں (نہ کہ دشمن کے حملہ کی صورت میں کیونکہ اس موقعہ پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے) جہاد فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح (ضروریات دین سے زائد کا علم کیونکہ اس حد تک علم حاصل کرنا فرض عین ہے) علم حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے تو ایسے دونوں شخص فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں دیگر علماء نے بھی لکھا ہے اور حضرت امام نوویؒ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ اور ان کے علاوہ حضرات علماء کرامؒ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ مسجد میں علم

وغیرہ کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ بن مسلمہ المالکیؒ نے علم اور آپس کے بحث و مباحثہ کے سلسلہ میں آواز بلند کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ لوگ مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس کارروائی سے ان کو کوئی چارہ نہیں (محصلہ شرح مسلم ج۱ ص۲۱۰) اور خود حضرت ملا علی بن القاریؒ نے بھی حضرت امام مالکؒ کا یہ مسلک چند جگہوں میں نقل کیا ہے مثلاً مرقات (ج۲ ص۲۲۳) میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو کچھ نہیں سمجھتا ہوں ممکن ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا رفع الصوت بالعلم سے منع کرنا مطلق نہ ہو بلکہ ایسی آواز کے ساتھ مقید ہو جس سے تشویش پیدا ہوتی ہو اور بظاہر یہی بات حق اور صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آواز بلند کرنا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کا حضرات صحابہ کرامؓ سے عموماً یہ دریافت فرمانا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو آپ اس کی تعبیر بیان فرما دیتے تھے ایسے ہی موقع پر آپ نے اپنا ایک طویل خواب بیان فرمایا جو بخاری (ج۱ ص۱۸۵ و ج۲ ص۱۰۴۳) میں مذکور ہے ظاہر بات ہے کہ حضرات صحابہؓ کرام کے مجمع میں یہ کارروائی بغیر رفع الصوت کے نہیں ہو سکتی تھی اور آپ جو فرماتے تھے وہ دین ہی ہوتا تھا کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ ایسی واضح باتیں بھی حضرت امام مالکؒ پر مخفی رہیں؟ -

---

ذکر بالجہر کے جواز کے دلائل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان دلائل کا بھی اختصاراً تذکرہ کر دیں جن سے ذکر بالجہر کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو زیر بحث مسئلہ کے دونوں پہلو یا بالفاظ دیگر تصویر کے دونوں رُخ آسانی سے نظر آجائیں اور دلائل کا توازن اور تقابل کرنے کی اہلیت رکھنے والے حضرات بسہولت صحیح اور راجح بات کو سمجھ سکیں کیونکہ ع

وبضدّھا تتبیّن الاشیاء اہل علم کے ہاں مشہور بات ہے۔

قرآن کریم سے استدلال

مجوّزین ذکر بالجہر نے قرآن کریم سے بھی اس پر استدلال کی سعی کی ہے، اب پڑھنے والے ملاحظہ کریں کہ وہ حضرات اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہیں۔

پہلی آیت کریمہ:۔

مؤلف ذکر بالجہر نے اس ذیل کی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔ اور جس جہر میں ہمارا کلام ہے وہ قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت میں صراحۃً منصوص ہے اُذْکُرُوْا

اللہَ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (قرآن کریم) "اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ۔" مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حج سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے اور اپنے باپ دادا کے کارناموں کو فخر کے ساتھ بیان کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بجائے آباء کے ذکر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو اور اہل فہم پر مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سنانے کے لئے جو ذکر ہوگا وہ بالجہر ہی ہوگا، پس اس آیت کریمہ سے صراحۃً ذکر بالجہر کا جواز ثابت ہوا چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

دیگر آنکہ جہر مشروع است بے شبہ الیٰ ان قال از اولۂ ان است قول حق سبحانہ وتعالیٰ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ۔

جان لو ذکر بالجہر بلاشبہ جائز ہے اور اس کے دلائل میں سے اللہ سبحانہ کا فرمان ہے کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۲۷۵ ذکر بالجہر ص ۱۶۱۵)

الجواب:۔ مؤلف مذکور کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اوّلاً اس لئے کہ مؤلف مذکور نے حضرات مفسرین کرامؒ کے حوالہ سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ بیت اللہ کے سامنے ذکر ہوتا تھا جس سے بظاہر یہی تبادر ہوتا ہے کہ سب یا اکثر مفسرین کرامؒ اس ذکر کا محل وقوع بیت اللہ کے سامنے بتاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اکثر مفسرین کرامؒ اس کا محل وقوع منیٰ کا مقام بتاتے ہیں چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب اہل جاہلیت افعال حج سے فارغ ہو جاتے تو وقفوا عند الجمرۃ وذکروا آباءھم الخ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۹۶ طبع مصر) یعنی جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے۔ تفسیر بیضاوی ص ۲۸ (تقطیع کلاں) اور تفسیر ابوالسعودؒ (ج ا ص ۱۶ طبع مصر) میں منیٰ کا لفظ موجود ہے تفسیر جلالین میں جمرۃ العقبۃ کے الفاظ موجود ہیں (ملاحظہ ہو ص ۳۰ طبع اصح المطابع دہلی) حافظ ابن کثیرؒ لفظ موسم نقل کرتے ہیں (تفسیر ابن کثیرؒ ج ا ص ۲۴۳ طبع مصر) اور یہ لفظ بڑا عام ہے کسی جگہ کی تعیین نہیں اور ایک تفسیر میں لفظ موقف آیا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۴۳) اگرچہ مناسک حج میں موقف کا لفظ مزدلفہ، عرفات اور [illegible] وغیرہ پر بولا جاتا ہے مگر حضرت مجاہدؒ وغیرہ کی صریح تفسیر کے موافق یہاں موقف سے منیٰ ہی مراد ہے، انہی تفسیروں کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے منیٰ میں جمع ہو کر الخ سے اس کی تعبیر

کی ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۵) اور حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو الخ (حاشیہ ص ۳۹) البتہ امام ابوبکرؒ بن عیاشؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

اذا فرغوا من الحج قاموا عند البیت اھ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۹۶) کہ جب وہ حج سے فارغ ہو جاتے تو بیت اللہ کے پاس کھڑے ہوتے اور غالباً اسی تفسیر کو مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے پیش نظر رکھ کر یہ لکھا ہے حج کے بعد کعبہ کے قریب اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کرتے تھے (حاشیہ ص ۴۲) اور یہی تفسیر بظاہر مؤلف مذکور کے سامنے ہے لیکن یہ تفسیر سب یا اکثر مفسرین کرامؒ کی بیان کردہ نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے اور مقام منیٰ کعبہ شریف سے تقریباً چار میل دور ہے بالکل قریب نہیں و ثانیاً اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے ضمناً اور بالتبع اس سے ذکر بالجہر ثابت ہوتا ہو تو اس کو صراحۃً ذکر بالجہر نہیں کہتے اور نہ اس میں ذکر بالجہر صراحۃً منصوص ہے جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر کو یہ مغالطہ اور دھوکہ لگا ہے یا وہ سینہ زوری سے کام لے رہے ہیں چنانچہ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیلؒ بن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔

والمقصود منه الحث علی کثرۃ الذکر لله عزوجل الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۳)	اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کثرت ذکر پر آمادہ کرنا ہے۔

یعنی اس آیت کریمہ میں مقصود کثرتِ ذکر ہے جہر بالذکر نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے جا دعویٰ ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وقوله تعالیٰ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا لیس فیه التشبیه فی الجهر بل فی اکثار الذکر اھ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۰۸)	اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ ذکر تو اس میں تشبیہ جہر میں نہیں بلکہ کثرت سے ذکر کرنے میں ہے۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس آیت میں مطلوب اور مقصود

ذکر بالجہر نہیں اور نہ مل کر جماعتی شکل میں ذکر کرنا مقصود ہے جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب کو دھوکہ ہوا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص۲۴۲) بلکہ اس سے مراد صرف کثرت ذکر ہے یعنی جس طرح تم اس موقع پر کثرت کے ساتھ اپنے آباء واجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے ہو اسی طرح اس مقام پر تم اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو اور اس کی حمد و ثناء میں اپنا وقت گذارو۔ وثانیاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ فرمانا کہ یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر کے ادلہ میں سے ہے قابل غور ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں جہر کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں بلکہ اس آیتِ کریمہ سے مقصود اکثار ذکر ہے اور تشبیہ صرف کثرت ذکر میں ہے نہ کہ جہر میں (کما مرّ) علاوہ بریں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا کہ اس آیت کریمہ سے جہر ضمناً اور تبعاً ثابت ہوتا ہے تب بھی حضرت شیخؒ کی مراد یہ ہوگی کہ جہاں حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے نزدیک جہر ثابت ہے وہاں جہر ہوگا دوسرے مواقع میں ذکر بالجہر مکروہ ہوگا چونکہ حضرت شیخ صاحبؒ حنفی مسلک سے وابستہ تھے اس لئے حضرات احنافؒ کے اس واضح مسلک کو وہ کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں؟ یقین نہ آئے تو ہم حضرت شیخ صاحبؒ ہی سے یہ منوا دیتے ہیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت (جس کی ضروری بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز) کا ایک جواب یوں نقل کرتے ہیں کہ

وقیل کان ذٰلک فی ایام التشریق بمنٰی وھذا اوفق لمذھب الحنفیۃ فی کراھتھم الجھر بالذکر فیما عدا ما ورد ولھذا لا یوجبون قضاء تکبیرات العید والتشریق ذکرہ الشیخ فی اللمعات انتھٰی (حاشیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۸۹ طبع اصح المطابع دہلی)	کہا گیا ہے کہ یہ منیٰ کے اندر ایام تشریق میں تھا اور یہی توجیہ احنافؒ کے مذہب کے زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ جہاں جہر کا حکم وارد نہیں وہاں ذکر بالجہر کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ عید اور تشریق کی تکبیروں کی قضاء واجب نہیں سمجھتے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لیجئے اس عبارت میں حضرت شیخ صاحبؒ اس کی تصریح فرما رہے ہیں کہ حضرات فقہاء احنافؒ کے نزدیک ذکر بالجہر مکروہ ہے مگر صرف اس مقام میں جہاں شرع میں ذکر بالجہر وارد ہوا ہے اور اس کو اگرچہ وہ لفظ قیل سے ذکر کرتے ہیں لیکن تصریح فرماتے ہیں کہ احناف کے مذہب سے یہی زیادہ موافقت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مثلاً اگر کسی سے نماز عید کی پہلی رکعت امام کے ساتھ

چھوٹ جائے تو امام کی فراغت کے بعد اس پر تکبیرات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ان کا محل فوت ہو چکا ہے اور دوسرے مقام میں جہراً تکبیر مشروع نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شخص ایام تشریق میں کسی وجہ سے تکبیر نہیں پڑھ سکا یا فرض کر لیجئے کہ ان دنوں اس کی نماز ہی قضا ہو گئی ہو تو اب اس پر تشریق کی تکبیرات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ان کا محل اور موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے اور غیر محل میں جہراً تکبیر کا حکم وارد نہیں ہوا۔

حضرت شیخ صاحبؒ کی اور جن جن عبارات میں ذکر بالجہر کی مشروعیت کا تذکرہ آتا ہے (مثلاً اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۸۰ و ج ۱ ص ۴۱۹ و ج ۱ ص ۵۳۷ وغیرہ جن کا حوالہ ذکر بالجہر ص ۲۸ و ۲۹ وغیرہ میں دیا گیا ہے) اس سے بھی ان کی اس واضح عبارت کے پیش نظر اس مقام پر ذکر بالجہر مراد ہوگی جہاں شریعت سے ثبوت ہے ورنہ بقول ان کے حضرات حنفیہؒ کا مذہب ہی یہ ہے کہ ذکر بالجہر مکروہ ہے۔

اور حضرت شیخ صاحبؒ برفع صوتہ بالثالثۃ کی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

فی الحدیث دلیل علی شرعیۃ الجہر بالذکر وھو ثابت فی الشرع بلا شبہۃ لکن الحنفی منہ افضل فی غیر ما ثبت فی المأثور۔	اس حدیث میں ذکر بالجہر کی مشروعیت کی دلیل ہے اور بلاشبہ شریعت میں ذکر بالجہر ثابت ہے لیکن جہاں نقل کے ساتھ جہر ثابت نہیں وہاں آہستہ ذکر افضل ہے

(لمعات، ہامش مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جہاں شرعاً ذکر بالجہر منقول نہیں وہاں حضرت شیخ ذکر بالسر ہی کو افضل قرار دیتے ہیں مطلقاً ذکر بالجہر کے وہ ہرگز قائل نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر وغیرہ کا بے بنیاد دعوٰی ہے اور نیز بہ مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق ہے۔

دوسری آیت کریمہ

مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔	پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔

پھر اس کے بعد اس آیت کریمہ کی تفسیر میں (درمنثور ۳ ص۲۱۴ تفسیرات احمدیہ ص۲۰۸ اور احیاء العلوم ج ۱ ص۳۰۱ کے حوالہ سے) حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر نقل کی ہے ہم مؤلف مذکور کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رات اور دن میں دریا اور خشکی میں سفر اور حضر میں فراغت اور تنگدستی میں بیماری اور صحت میں سر اور جہر سے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو بلفظہ (ص۱۶۹ و ۱۷۰)

الجواب :- اس سے ذکر بالجہر پر استدلال تام نہیں اولاً اس لئے کہ تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کریمہ کے چار معانی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے مؤلف مذکور کا ان دیگر معانی کا ذکر نہ کرنا جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس کا صرف یہی معنیٰ ہے ایک علمی مغالطہ ہے وثانیاً اس لئے کہ اس آیت کریمہ میں جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور مابہ النزاع ہی یہ لفظ ہے بخلاف اس آیت کریمہ کے جس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ نے عدم جہر پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں خفیۃ کا لفظ جو آہستہ پر دلالت کرتا ہے صراحت سے موجود ہے۔ لہذا صریح کے مقابلہ میں محتمل سے استدلال کا کوئی مقام نہیں ہے وثالثاً پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے کہ اپنی شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کی بھی گنجائش ہے لیکن ہر مقام پر نہیں بلکہ اسی مقام میں جہاں شرعاً جہر کی اجازت ملتی ہے اگر ہر مقام پر ذکر بالجہر کی اجازت اور گنجائش ہوتی تو حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا محتاط طبقہ کبھی کسی جگہ پر ذکر بالجہر اور دعاءً بالجہر کو مکروہ بدعت اور خلاف سنت نہ کہتا لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے حوالے پہلے گذر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ورابعاً حضرت ابن عباسؓ کی عبارت میں سراً او جہراً کے جو الفاظ موجود ہیں وہ بجا ہیں اپنے وقت اور اپنے موقع پر جہراً بھی ذکر جائز ہے، اس کا کون منکر ہے؟ جس طرح ان کی عبارت میں دن اور رات دریا اور خشکی سفر اور حضر فقر و تنگدستی بیماری اور صحت کے الفاظ الگ الگ حالت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح سر اور جہر کی حالتیں بھی الگ اور جدا ہیں جہاں سراً ذکر مطلوب ہے وہاں سراً ہوگا اور ذکر میں اصل ہی یہی ہے کہ سراً اور جہاں جہراً ذکر مطلوب ہے وہاں جہراً ذکر ہوگا، اس عبارت میں لفظ جہر کو ہر مقام اور ہر جگہ اور ہر موقع پر چسپاں

کرکے خوش ہو جانا حضرات فقہاء احناف کی تصریحات سے بے خبری پر مبنی ہے۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کے سلسلہ میں ذکر بالجہر ص۱۶ کے حاشیہ میں حضرت تھانویؒ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ صفدر) ذکر بالجہر پر یوں استدلال کرتے ہیں وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا۔ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو مساجد میں اللہ تعالےٰ کے نام کے ذکر سے منع کرتا ہے اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے ظاہر ہے کہ منع بدوں اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم ص۲۴۳ مجتبائی پریس)

الجواب:۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ یہ جہر مشروط ہے خود ان کی عبارتیں اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں غور سے ملاحظہ کریں۔

(۱) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الآیۃ کی تفسیر کے فائدہ میں لکھتے ہیں۔

(ف) حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے مراد اس سے مفرط ہے البتہ اگر کسی عارضہ کی وجہ سے مثل دفع خطرات یا دفع قساوت وتحصیل رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے کیونکہ جو مفاسد علل نہی کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں واللہ اعلم اور مع حرکت لسانی کی قید اس لئے لگائی کہ اس میں دونوں عضو مشغول عبادت رہتے ہیں دل بھی اور زبان بھی اور اس مسئلہ میں بھی کلام طویل الذیل ہے احقر نے اپنی تحقیق لکھ دی ہے انتہی (بیان القرآن ج۴ ص۶۶) اور حضرت تھانویؒ کی یہ عبارت بھی پہلے گذر چکی ہے۔ مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش وایذاء نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء (امداد الفتاویٰ حصہ۵ ص۱۶۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ جہر مفرط کے قائل نہیں ہیں اور خود اس عبارت میں

تشریح فرماتے ہیں کہ جہر مفرط وہ ہے جس سے کسی سونے والے یا نمازی کو تکلیف اور تشویش ہو اور ایسے جہر کو نہ تو وہ عبادت و قربت سمجھتے ہیں اور نہ بستیوں اور آبادیوں میں ایسے ذکر کی اجازت دیتے ہیں وہ تو صرف ایسے جہر کی اجازت دیتے ہیں جو معتدل ہو مثلاً یہ کہ بالکل قریب بیٹھنے والے ہی سن سکیں۔ اب سعیدی صاحب ہی بتائیں کہ آج کل بریلوی حضرات لاوڈ اسپیکر پر جو چلا چلا کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور ذکر کرتے ہیں، کیا اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے یا نہیں؟ اور آیا یہ ان کی اصطلاح میں جہر مفرط ہے یا نہیں؟ اور آیا وہ اس کو عبادت و قربت سمجھ کر کرتے ہیں یا یوں ہی شغل میلہ سمجھتے ہیں؟

(۲) ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم ص۲ مجتبائی یہ حوالہ ذکر بالجہر ص۱۹ کے حاشیہ میں بھی موجود ہے) اور نزاع بھی اسی جہر میں ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے کہ نہ تو وہ نماز دلجمعی سے پڑھ سکیں اور نہ تلاوت و مطالعہ کر سکیں اور نہ چین کیساتھ سو سکیں اور نہ بیمار ہی آرام و سکون سے رہ سکیں۔

(۳) مؤلف ذکر بالجہر ص۳۶ میں طحطاوی اور فتاویٰ امدادیہ کے حوالہ سے امام شعرانیؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

قال فی الفتاوی لا یمنع من الجهر بالذکر فی المساجد احترازا عن الدخول تحت قوله تعالیٰ وَمَنْ اظلم ممن منع مساجد اللهِ ان یذکر فیها اسمه کذا فی البزازیة ونص الشعرانی فی ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور مالفظه۔ واجمع العلماء سلفا وخلفاً علی استحباب ذکر الله تعالیٰ جماعة فی المساجد

فتاویٰ میں کہا ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر سے نہیں منع کیا جائے گا اس سے بچتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی زد میں آجائے اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کیا اسی طرح بزازیہ میں ہے اور امام شعرانیؒ نے اپنے رسالہ ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور میں لکھا ہے کہ حضرات سلفؒ و خلفؒ کے علماء مساجد وغیرہا میں جماعتی شکل میں اللہ تعالیٰ کے

وغيرها من غير نكير الا ان يشوش جهرهم بالذكر على نائم او مصل او قارئ قرآن كما فى كتب الفقه وفى الحلبى الافضل الجهر بالقرأة ان لم يكن عند قوم مشغولين مالم يخالطه رياء۔

(طحطاوی ص۱۹۰ فتاوی امدادیہ جلد چہارم ص۴۵ مطبوعہ مجتبائی)

ذکر کے مستحب ہونے پر متفق ہیں کسی نے کوئی انکار نہیں کیا مگر یہ کہ ان کے ذکر بالجہر سے کسی سونے والے یا کسی نمازی یا کسی تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہو جیسا کہ کتب فقہ میں ہے اور حلبی میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ بلند آواز کے ساتھ قرأت کی جائے اگر وہاں کوئی ایسی قوم نہ ہو جو مشغول و مصروف ہو اور نہ ذکر بالجہر سے ان کے کام میں خلل نہ پڑتا ہو، ہاں جب ریاء کا خطرہ ہو تو پھر جہر نہ کرے۔

فتاوی امدادیہ وغیرہ کے اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ جس جہر سے سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے والے کو تشویش ہو اس کی گنجائش نہیں اور اسی طرح قرآن کریم کی قرأت اس وقت افضل ہے جب کہ کسی کے شغل میں خلل نہ پڑتا ہو اور ریاء سے خالی ہو۔

نوٹ ضروری:۔ ذکر بالجہر ص۱۷ کے حاشیہ پر امداد الفتاوی ج۴ ص۴۵ و۴۶ کی جو دو عبارتیں مشروعیت ذکر بالجہر پر نقل کی گئی ہیں ان عبارتوں میں بھی یہ قیود اور شرائط ملحوظ رکھنے ہونگے جنکی تشریح خود حضرت تھانوی نے ان عبارات میں کر دی ہے کہ جہر سے سونے والوں اور نمازیوں کو تشویش نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

تیسری آیت کریمہ۔

مؤلف ذکر بالجہر ص۱۷ میں لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ۔ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنیکا حکم دیا ہے اور ذکر سِر یا جہر کے ساتھ مقید کرنا اس کے عموم اور اطلاق کو ظاہر کرتا ہے اور اصول حنفیہ میں مقرر ہے کہ نصوص مطلقہ کو انکے اطلاق اور عموم پر محمول کیا جاتا ہے۔ اھ۔ الجواب:۔ یہ آیت کریمہ مدعٰی سے غیر متعلق ہے کیونکہ بتصریح مؤلف مذکور اس میں سِر اور جہر کی قید موجود نہیں اور جھگڑا اسی میں ہے نفس ذکر اور کثرت ذکر کا کوئی منکر نہیں اور ہم نے پہلے جو آیتیں بالتفسیر نقل کی ہیں ان میں خفیہ فی نفسک اور دون الجہر کی قید موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

کے حوالہ سے یہ بات آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ کہ حضرات احناف کے نزدیک روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا لازم ہے۔ الغرض ذکر بالجہر کے اثبات پر قرآن کریم کی کوئی بھی ایسی آیت کریمہ پیش نہیں کی جاسکی۔ جس میں صراحت کے ساتھ جہر کا لفظ موجود ہو جب کہ نزاع بھی صرف اسی میں ہے محض اِدھر اُدھر سے غیر متعلق حوالے نقل کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

باب نہم

مؤلف مذکور نے عنوان قائم کیا ہے۔ ذکر بالجہر پر احادیث سے دلائل پھر اس پر انہوں نے چند احادیث سے استدلال کیا ہے:۔

پہلی حدیث۔ (ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے ہم ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں) بخاری اور مسلم نے یہ حدیث ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو اللہ اکبر کہنے سے پہچانا کرتا تھا۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص۸۸)
اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے پھر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور امام نوویؒ کی عبارتیں بھی اپنی تائید میں پیش کی ہیں مگر افسوس کہ ادھوری۔

الجواب:۔ یہ روایت بخاری ج۱ ص۱۱۶ اور مسلم ج۱ ص۲۱۷ و ابوداؤد ج۱ ص۱۴۳ میں مروی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم معتبر اور مستند شراح حدیث کی وہ عبارتیں جو انہوں نے اس کی شرح میں تحریر فرمائی ہیں نقل کر دیں اور وہ خود ہی بفضلہ تعالیٰ اس کا مفصل جواب ہیں۔

(۱) امام اہل السنت حضرت محمدؒ بن ادریس الشافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کا حوالہ دینے کے بعد ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

واختار للامام والمأموم ان یذکر اللہ	میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام اور مقتدی نماز
بعد الانصراف من الصلوٰۃ ویخفیان	سے فارغ ہونے کے بعد دونوں آہستہ اللہ تعالیٰ
الذکر الا ان یکون اماما یجب ان یتعلم	کا ذکر کریں مگر جب کہ امام اس بات کو پسند کرتا ہو
منہ فیجھر حتی یری انہ قد تعلم منہ	کہ اس سے دعاء سیکھی جائے تو اس وقت وہ

ثم يسر فان الله عزّوجل يقول ولا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا يعني والله تعالىٰ اعلم الدعاء ولا تجهر لا ترفع ولا تخافت حتى لا تسمع نفسك واحسب ماروى ابن الزبيرؓ من تهليل النبي صلى الله عليه وسلم وماروى ابن عباسؓ من تكبيره كما رويناه قال الشافعیؒ واحسبه انما جهر قليلاً ليتعلم الناس منه الخ (کتاب الام ج۱ صلا طبع بولاق مصر)

جہر کرے یہاں تک کہ جب اس سے دعا سیکھ لی جائے تو پھر وہ آہستہ دعا کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اپنی دعا میں نہ جہر کر اور نہ آہستہ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنی مراد کو خوب جانتا ہے لیکن ہماری دانست میں اس سے دعا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ تم جہر سے دعا نہ کرو اور نہ اس قدر آہستہ دعا کرو کہ تم اپنے نفس کو بھی نہ سنا سکو باقی حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ سے جو یہ روایت مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وسلم لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت کہ آپ تکبیر پڑھا کرتے تھے تو ہمارے خیال میں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے تھوڑا عرصہ جہر کیا تا کہ لوگ آپ سے سیکھ لیں (پھر جہر ترک کر دیا تھا)

حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت بالکل صاف اور واضح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت منسوخ ہے اور اب جہر کا حکم باقی نہیں رہا۔

(۲) امام ابوبکر احمدؒ بن حسین البیہقی الشافعیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے امام شافعیؒ کا یہ جواب ان کے حوالہ سے سنن الکبریٰ (ج ۲ ص ۱۸۴ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں نقل کیا ہے۔

(۳) امام النووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ

هذا دليل لما قاله بعض السلف انه يستحب رفع الصوت بالتكبير والذكر عقب المكتوبة وممن استحبه من المتأخرين ابن حزم الظاهري ونقل ابن بطال وآخرون ان اصحاب المذاهب

یہ دلیل ہے بعض سلفؒ کے قول کی جو یہ کہتے ہیں کہ فرضی نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور ذکر کرنا مستحب ہے اور متاخرین میں سے جس نے اس کو مستحب قرار دیا ان میں ابن حزم ظاہریؒ بھی ہیں اور محدث ابن بطالؒ اور دوسرے

المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم
استحباب رفع الصوت بالذكر
والتكبير وحمل الشافعي رحمه الله
تعالى هذا الحديث على انه جهر وقتا
يسيرًا حتى يعلمهم صفة الذكر لا انه
جهر دائما قال فاختار للامام والمأموم
يذكرا الله تعالى بعد الفراغ من الصلوٰة
ويخفيان ذالك الا ان يكون اماما
يريد ان يتعلم منه فيجهر حتى يعلم
انه قد تعلم منه ثم يسر وحمل الحديث
على هذا وقوله كنت اعلم اذا انصرفوا
ظاهره انه لم يكن يحضر الصلوٰة
في الجماعة في بعض الاوقات لصغره
انتهى (شرح مسلم ج۱ ص۲۱۷)

بزرگوں نے فرمایا کہ ان مذاہب والے جن کی
بکثرت پیروی کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے
سب اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند
کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ
نے فرمایا کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے
تھوڑا عرصہ جہر کیا تھا تاکہ لوگوں کو آپ ذکر کا طریقہ
بتادیں یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ہمیشہ جہر کیا امام شافعیؒ
نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام اور مقتدی
دونوں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ
کا ذکر کریں لیکن آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ امام اس
کا ارادہ کرے کہ اس سے دعا سیکھی جائے تو وہ
اس وقت تک جہر کر سکتا ہے جب تک اس سے
دعا سیکھی جائے پھر وہ دعا آہستہ کرے اور
اس حدیث کو امام شافعیؒ نے اسی پر حمل کیا ہے
رہا حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ میں تکبیر سے
اس کو پہچان لیتا تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو
چکے ہیں تو بظاہر یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کم سنی
کی وجہ سے بعض اوقات وہ جماعت کی نماز میں
حاضر نہیں ہوتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی وغیرہ تمام وہ مذاہب و مسالک جن کی بکثرت
پیروی کی گئی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ نماز کے بعد بلند آواز کے ساتھ ذکر اور تکبیر مستحب نہیں
علامہ ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ اس کے خلاف ہیں وہ اس کے استحباب کے قائل ہیں رہا آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فعل تو حسب تصریح حضرت امام شافعیؒ تعلیم کے سلسلہ میں تھا اور وہ

بھی تھوڑے عرصہ تک رہا لہٰذا اس سے دوامی طور پر ذکر بالجہر پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔
(۲) علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

وقول ابن عباسؓ کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یدل علی انه لم یکن الصحابة یفعلونه حین حدث ابن عباسؓ به کانهم رأوا ان ذالك لیس بلازم فترکوه خشیة ان یظن القاصرون انه مما لاتتم الصلوٰة الّا به وقد قال بعض المالکیة یستحب التکبیر فی العساکر والثغور اثر صلوٰة الصبح والعشاء تکبیرًا عالیًا ثلاث مرّات وهو قدیم من شان الناس انتهٰی (الکواکب الدراری ج ۵ ص۱۹۰ طبع مصر)

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث بیان کی تو اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ ایسا نہیں کیا کرتے تھے گویا حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ خیال کیا کہ تکبیر کہنا لازم نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس ڈر کے مارے اس کو ترک کر دیا تھا تاکہ کوتاہ فہم یہ خیال نہ کر لیں کہ نماز بغیر اس تکبیر کے پوری نہیں ہوتی اور بعض مالکیوںؒ نے کہا ہے کہ لشکروں میں اور سرحدوں پر صبح اور عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ تکبیر کہنی چاہیئے۔ اور قدیم زمانہ سے لوگوں کا اس پر عمل چلا آرہا ہے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل آشکارا ہو گئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر برائے تعلیم تھوڑا سا وقت عمل ہوتا رہا پھر اس پر ترک کر دیا گیا تھا۔
(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) رقمطراز ہیں کہ:-

وفیه دلیل علی جواز الجهر بالذکر عقیب الصلوٰة قال الطبری فیه الابانة عن صحة ماکان یفعله بعض الامراء عن التکبیر عقب الصلوٰة

اس میں نماز کے بعد ذکر بالجہر کے جواز کی دلیل ہے، امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس چیز کی صحت کا اظہار ہے جس کو بعض امراء کیا کرتے تھے وہ یہ کہ نماز کے بعد وہ تکبیر کہتے تھے لیکن

وتعقبهٗ ابن بطال بانه لم یقف علیٰ ذٰلك
عن احد من السلف الّا ما حکاہ ابن
حبیب فی الواضحة انھم کانوا یستحبون
التکبیر فی العساکر عقب الصبح والعشاء
تکبیرا عالیاً ثلاثاً قال وھو قدیم
من شان الناس قال ابن بطال وفی
العتیبة عن مالك ان ذٰلك محدث
قال وفی السیاق اشعار بان الصحابة
لم یکونوا یرفعون اصواتھم
بالذکر فی الوقت الذی قال فیه
ابن عباسؓ ما قال قلت فی التقیید
بالصحابةؓ نظر بل لم یکن حینئذٍ
من الصحابةؓ الا القلیل وقال النووی
حمل الشافعی ھذا الحدیث علیٰ
انھم جھروا به وقتاً یسیراً لاجل
تعلیم صفة الذکر لا انھم داوموا
علی الجھر به والمختار ان الامام و
المأموم یخفیان الذکر الا ان احتیج
الی التعلیم انتھیٰ۔
(فتح الباری ج۲ ص۲۶۹ طبع مصر)

محدث ابن بطالؒ نے اس پر گرفت کی ہے کہ
سلفؒ میں سے کسی ایک سے بھی اس پر اطلاع نہیں
پائی جا سکی مگر یہ کہ ابن حبیبؒ نے اپنی کتاب الواضحة
میں بیان کیا ہے کہ لشکروں میں صبح اور عشاء کی
نماز کے بعد تین دفعہ بلند آواز سے تکبیر کو سلفؒ
پسند کرتے تھے اور قدیم زمانہ سے لوگوں کا
معاملہ اسی پر چلا آرہا ہے ابن بطالؒ فرماتے
ہیں کہ عتیبہ میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا
ہے کہ یہ بدعت ہے اور اس حدیث کے سیاق
سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ
اس وقت جبکہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث
بیان کی بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے میں کہتا
ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اس کو مقید کرنے
میں کلام ہے کیونکہ اس وقت حضرات صحابہ
کرامؓ بہت کم تھے (تو مطلب یہ ہوا کہ اس وقت
حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ بلند آواز
سے تکبیر نہیں کہتے تھے) امام نوویؒ فرماتے ہیں
کہ حضرت امام شافعیؒ نے اس کو اس پر حمل کیا ہے
کہ ذکر کا طریقہ بتانے کے لئے تھوڑا سا عرصہ
انہوں نے جہر کیا تھا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے
اس پر مداومت کی تھی اور امام اور مقتدی
دونوں کے لئے پسندیدہ امر یہ ہے کہ وہ دونوں
آہستہ ذکر کریں مگر جب کہ تعلیم کی حاجت پڑے۔

فائدہ:۔ جن حوالوں سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر بلند آواز سے تسبیح و تہلیل پڑھا کرتے تھے ان سے بھی تعلیمی دور مراد ہے نہ کہ دوام مثلاً حضرت شیخ محمد تھانویؒ اُستاذِ حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں کہ:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر مع الصحابۃؓ بالاذکار والتھلیل والتسبیح بعد الصلوٰۃ۔

آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر نماز کے بعد اذکار تہلیل اور تسبیح پڑھتے تھے۔

(دلائل الاذکار ص۷۹ طبع دہلی)

(۴) علامہ بدرالدین محمودؒ بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

استدل بہ بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبۃ وممن استحبہ من المتاخرین ابن حزمؒ وقال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم وحمل الشافعیؒ ھذا الحدیث علی انہ جھر لیعلمھم صفۃ الذکر لا انہ کان دائما قال واختار للامام والمأموم ان یذکرا اللہ بعد الفراغ من الصلوٰۃ ویخفیان ذلک الا ان یقصد التعلیم فیعلما ثم یسرا اھ

(عمدۃ القاری ج ۶ ص۱۲۶ طبع مصر)

اِس حدیث سے بعض سلفؒ نے فرضی نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر اور ذکر کرنے کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے اور جن حضرات متاخرین میں سے اس کو مستحب قرار دیا ہے ان میں ابن حزمؒ بھی ہیں محدث ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ ان مذاہب والے حضرات جن کی بکثرت پیروی کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے سب اس پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر اور ذکر مستحب نہیں ہے بجز ابن حزمؒ کے اور حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کو اس پر حمل کیا ہے کہ آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو ذکر کا طریقہ بتانے کے لئے جہر کیا تھا نہ یہ کہ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام اور مقتدی دونوں اللہ تعالیٰ کا آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ دونوں کا مقصد تعلیم ہو تو تعلیم و تعلم

کی حد تک جہر کریں پھر دونوں آہستہ کریں۔

فائدہ:۔ علامہ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ

رفع الصوت بالتکبیر اثر کل صلوٰۃ حسن انتہی (محلی ج ۲ ص ۲۴۵ طبع مصر)

ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا اچھا ہے پھر اس کی دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ مذکور حدیث بیان کرتے ہیں لیکن آپ ملاحظہ کر چکے کہ جمہور سب ان کے خلاف ہیں اور وہ بلند آواز سے تکبیر کو مستحب نہیں سمجھتے۔

(۵) امام ابن الحاج المالکیؒ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت اور حضرت ابن زبیرؓ کی عنقریب بیان ہونے والی حدیث کا ذکر کرنے کے بعد ان کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

فالجواب من وجھین احدھما ما ذکرہ الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی فی الام قال واختار للامام والمأموم ان یذکرا اللہ بعد الانصراف من الصلوٰۃ ویخفیا الذکر الا ان یکون اماما یجب ان یتعلم منہ فیجھر حتّٰی یرٰی انہ قد تعلم منہ ثم یسرا (الی ان قال) وما روی عن ابن عباس من تکبیرہ کما رویناہ انما جھر قلیلاً لیتعلم الناس منہ اھ (المدخل ج ۱ ص ۱۰۱)

پس جواب دو طریقوں سے ہے ایک تو وہ جو امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الام میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ میں امام اور مقتدی کے لئے اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالٰی کا آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ امام اس کو پسند کرتا ہو کہ اس سے دعا سیکھی جائے تو وہ اس لئے جہر کر سکتا ہے حتٰی کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اس سے دعا سیکھ لی گئی ہے پھر آہستہ دعا کرے (پھر آگے فرمایا) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں جس تکبیر کا ذکر ہے وہ بھی اس پر محمول ہے کہ کچھ عرصہ جہر کیا تاکہ لوگ دعا سیکھ لیں۔

اس کے بعد دوسرا جواب وہ یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

والجواب الثانی ما ذکرہ الشیخ الامام ابوالحسن بن بطال رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح البخاری لما اذ تکلم علی حدیث

اور دوسرا جواب وہ ہے جو الشیخ الامام ابوالحسنؒ بن بطالؒ نے بخاری کی شرح میں حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے سو

ابن عباسؓ فقال یحتمل ان یکون اراد به المجاهدین فان کان کذالک فھو الی الآن وعلیہ العمل وھوان المجاھدین اذا صلوا الخمس فیستحب لھم ان یکبروا جھرًا یرفعون اصواتھم لیرھبوا العدو قال فان لم یحمل علی ھذا فیکون منسوخا بالاجماع قال لانہ لا یعلم احد من العلماء یقول بہ والاجماع لایحتج علیہ انتہٰی وقال القاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ واما رفع الصوت بذکر فان کانوا جماعۃ فستحسن لیرھبوا العدو بذلک وان کان وحدہٗ فغیر مستحسن اھ (المدخل ج ۲ ص۱۰۹)	فرمایا کہ احتمال ہے کہ اس سے مجاہدین کی تکبیر مراد ہو جو اس وقت تک بدستور چلی آرہی ہے اور اسی پر عمل ہے وہ یہ کہ مجاہدین جب پانچ نمازیں پڑھ چکیں تو ان کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے تاکہ وہ اپنے دشمنوں کو مرعوب کریں فرمایا کہ اگر اس پر اس حدیث کو نہ حمل کیا جائے تو بالاجماع یہ حدیث منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں سے کوئی معلوم نہیں جو اس کا قائل ہو اور اجماع کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ بہرحال ذکر کے لئے آواز بلند کرنا اگر جماعتی شکل میں ہو تو پسندیدہ ہے تاکہ وہ اس طریقہ سے دشمنوں کو مرعوب کرسکیں اور اگر انفرادی صورت میں ہو تو وہ مستحسن نہیں ہے۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنے کا معاملہ پہلے تھا اور اس کے بعد تمام مشہور و معروف مذاہب کے علماء کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع ہوگیا ہے اور اجماع ایک ایسی وزنی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل کارگر نہیں ہے۔

(۶) علامہ ابوالعباس احمدؒ بن محمدؒ القسطلانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کی شرح میں وہی عبارت نقل کی ہے جو امام نوویؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے حوالہ سے نقل کی ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الساری شرح البخاری ج ۲ ص ۱۱۳ طبع نولکشور لکھنؤ)

(۷) اور علامہ الساعاتیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :۔

وھو محمول علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل ذالک لتعلیم الناس الذکر فقط وغیر ذلک کان یسر بہ قال لہ	یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کاروائی صرف اس لئے کی کہ لوگوں کو ذکر کے طریقہ کی تعلیم دیں اور اس کے

الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الام اھ (بلوغ الامانی ج۴ ص۱۱۷ طبع مصر)

علاوہ آپ آہستہ ذکر کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اس کے بعد وہی عبارت نقل کی ہے جو کتاب الام کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔

(۸) مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن شرف الحق الشہیر محمد اشرف بن امیرؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا وہی مطلب بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو عون المعبود ج۱ ص۳۸۳ طبع الانصاری دہلی)

فائدہ :- ان عبارات میں جس ابن بطالؒ کا لفظ آیا ہے وہ اپنے وقت کے بہت بڑے امام محدث، فقیہ اور صحیح بخاری کے شارح تھے نام ان کا الامام ابو الحسن علیؒ بن خلف المغربی المالکیؒ ہے (المتوفی ۴۴۹ھ) (کذا فی الدیباج المذہب لابن فرحونؒ ص۲۰۴ ومقدمۃ اللامع الدراری ص۱۳۳)

(۹) شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ

واختلاف کردہ اند شراح در بیان تکبیر بعض گفتہ اند کہ مراد بتکبیر ایں جا ذکر است چنانکہ در صحیحین از ابن عباسؓ است کہ رفع صوت بذکر وقت انصرام مردم از نماز فرض در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہود بود وگفت ابن عباسؓ شناختم من انقضائے صلوٰۃ را بداں پستر آوردہ است بخاری ایں حدیث را پس معلوم شد کہ مراد بتکبیر مطلق ذکر است وبعض گفتہ اند کہ مراد تکبیر است کہ در تسبیح وتحمید وتکبیر کہ بعد از نماز دہ دہ بار یا سی وسہ بار میگویند واقع است وبعض گویند کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نماز تکبیر میگفتند یک بار یا سہ بار وبعض میگویند کہ ایں در ایام منیٰ بود

شراح حدیث نے تکبیر کے بیان میں اختلاف کیا ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس جگہ تکبیر سے مراد ذکر ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرضی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا معہود تھا اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اس تکبیر کی وجہ سے نماز کے ختم ہونے کو پہچانتا تھا اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سے مطلق ذکر مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تکبیر سے مراد نماز کے بعد دس دس بار یا تینتیس تینتیس بار تسبیح وتحمید اور تکبیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے بعد ایک مرتبہ یا تین مرتبہ تکبیر کہا کرتے تھے اور بعض فرماتے

کہ تکبیرات تشریق میگفتند اھ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۰۹ طبع مصطفائی ج ۱ ص ۶۱۸) ہیں کہ یہ تکبیر ایام منیٰ میں ہوتی تھی جس کو تکبیر تشریق کہتے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لفظ تکبیر کے معنی اور مراد کی تعیین میں علماء کرام کے متعدد اور مختلف اقوال ہیں یقینی طور پر صرف مطلق ذکر ہی مراد نہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر نے ص ۲۸ میں مطلق ذکر است تک ہی عبارت نقل کر کے دھوکہ دیا ہے بلکہ حضرت شیخ صاحبؒ کی آخری توجیہ کے مطابق یہ تکبیر ایام تشریق اور ایام منیٰ سے متعلق ہے اور لمعات کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے کہ یہی توجیہ اور مطلب حضرات احنافؒ کے مذہب سے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ وہ ذکر بالجہر اور بلند آواز سے تکبیر کو مخصوص مواقع کے علاوہ اور مقامات میں مکروہ کہتے ہیں:۔

(۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں حضرت امام نوویؒ کی سابق عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقیل محمول علیٰ ما کانوا یکبرون فی ایام التشریق بمنیٰ وغیرہ وھذا اوفق بمذھب الحنفیۃ فی کراھتہم الذکر بالجہر ولذا لا یوجبون قضاء تکبیرات العید والتشریق انتہیٰ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۳۴)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منیٰ وغیرہ میں ایام تشریق کی تکبیر پر محمول ہے اور حضرات احنافؒ کے مذہب سے یہی زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ ذکر بالجہر کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ عید اور تشریق کی تکبیروں کی قضاء کو واجب نہیں سمجھتے۔

(۱۱) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ولم یقل احد بسنیۃ الجہر بالذکر بعد الصلوٰۃ الا ابن حزم الاندلسی وقد ثبت الجہر فی مواضع للتعلیم اھ (العرف الشذی ص ۱۲۵ مکتبہ رحیمیہ رائے پور ونحوہ فی معارف السنن ج ۲ ص ۳۶۹)

نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کے سنت ہونے کا کوئی بھی بجز ابن حزم اندلسیؒ کے قائل نہیں ہے ہاں تعلیم کی خاطر کئی جگہوں میں ذکر بالجہر ثابت ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

تمسك بظاهرة ابن حزمؒ وذهب الیٰ سُنّیَّۃِ الجهر بالتکبیر دبر الصلوٰۃ وانکرھا الجمھور اھ (فیض الباری ۲ ص ۳۱۵)

اس حدیث کے ظاہر سے ابن حزمؒ نے استدلال کیا ہے اور نمازوں کے بعد بلند آواز کے ساتھ تکبیر کے مسنون ہونے کا مذہب اختیار یہ کیا ہے مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔

قارئین کرام ان صریح عبارات سے آپ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں جس تکبیر کا ذکر ہے اس کی مراد اور معنی کے بارے میں کئی باتیں کہی گئی ہیں جن میں ایک ایام تشریق کی تکبیر بھی ہے اور پھر آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تعلیم کی خاطر تھوڑا سا عرصہ اس پر عمل کیا دوام نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ کے علاوہ دیگر تمام مذاہب کے حضرات فقہاء کرامؒ کا اس پر عمل نہیں رہا جو اس کے منسوخ ہونے کی واضح دلیل ہے بلکہ بقول امام ابن امیر الحاج المالکیؒ یہ اجماعاً منسوخ ہے حوالہ پہلے گزر چکا ہے اندریں حالات اس سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کے ثبوت پر استدلال کرنا اور اس کو کار ثواب سمجھنا اور اپنے اس فعل کو فقہ حنفی کے موافق سمجھنا نرا مغالطہ اور عوام الناس کو دھوکہ دینا ہے اللہ تعالیٰ سعیدی صاحب اور ان کے حواریوں کو ان ٹھوس حوالوں سے ہدایت نصیب فرمائے مگر

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

دوسری حدیث

مؤلف ذکر بالجہر نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکور حدیث کے بعد لکھا ہے :۔ دوسری حدیث ملاحظہ فرمایئے (ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں ۔ صفدر) صحیح مسلم میں عبداللہؓ ابن ز (اصول کتابت کے لحاظ سے اس مقام پر لفظ ابن الف کا لانا غلط ہے کما لا یخفیٰ ۔ صفدر) زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ کا ذکر فرماتے تھے شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں (ہم نے ان کے ترجمہ پر اکتفاء کی ہے ۔ صفدر) اور یہ حدیث ذکر بالجہر پر نص صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر کیا کرتے تھے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۱۹ ذکر بالجہر ص ۲۸)

الجواب :۔ یہ روایت مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۸ میں مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور مشکوٰۃ میں

بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود ہیں اور واقعی ان الفاظ کی موجودگی ذکر بالجہر پر نص صریح ہے لیکن مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کو یہاں بھی سوائے کلی ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اولاً اس لئے کہ یہ روایت مسلم ج ۱ صـ۲۱۸ میں موجود ہے لیکن اس میں سرے سے بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ ہی موجود نہیں ہیں اور نزاع بھی صرف اس جملہ میں ہے نفس ذکر کا کوئی منکر نہیں ہے اس روایت کو امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ ج ۲ صـ۱۸۵ (طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں علامہ ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۶۵۲ھ) اس روایت کو نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں رواہ مسلم و ابوداؤد والنسائی (منتقی الاخبار مع النیل ج ۲ صـ۳۱۶ طبع مصر) لیکن اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں اسی طرح یہ روایت مسند احمد ج ۴ صـ۵ ابوداؤد ج ۱ صـ۲۱۱ اور نسائی ج ۱ صـ۱۵۰ میں موجود ہے لیکن کسی میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں اور یہ روایت امام نوویؒ نے کتاب الاذکار صـ۶۷ طبع مصر میں اور امام موفق الدینؒ ابن قدامہؒ نے مغنی ج ۱ صـ۶ میں اور حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد ج ۱ صـ۶۷ میں بھی نقل کی ہے مگر اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں جب یہ الفاظ ہی ثابت نہیں تو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ صحیح احادیث اور حضرات مفسرین کرامؒ اور حضرات فقہاء ملت کی تصریحات کے مقابلہ میں اس سے استدلال کا کیا معنیٰ ؟ اور پھر اس استدلال کو سنتا اور مانتا کون ہے ؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ مشکوٰۃ میں فنی طور پر ان کے متعدد اوہام ہیں مثلاً صـ۷۷ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی ترک رفع یدین کی روایت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں وقال ابوداؤد لیس ھو بصحیح علی ھذا المعنیٰ انتہیٰ حالانکہ امام ابوداؤدؒ نے یہ الفاظ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے بارے میں نہیں فرمائے بلکہ یہ الفاظ انہوں نے حضرت براءؓ بن عازبؓ کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو ابوداؤد ج ۱ صـ۱۱۱ قال ابوداؤد ھذا الحدیث لیس بصحیح) ابوداؤد کے متعدد اور متداول مصری اور غیر مصری نسخوں اور متعدد شروح میں ایسا ہی ہے اور مثلاً مشکوٰۃ ج ۲ صـ۵۴۴ میں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ، استقبلہ داعی امرأتہ (اضافت کے ساتھ) جس کی وجہ سے میت کے گھر سے ایام شروع میں

کھانا کھانے کی غیر ضروری بحث چل نکلی ہے تفصیل کے لئے راہ سنت ملاحظہ کریں) اور یہ روایت انہوں نے ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی ہے مگر ابوداؤد ج ۲ ص۱۱۱ میں روایت یوں ہے، داعی امرأۃ (بغیر اضافت کے) الغرض مشکوٰۃ شریف میں صاحب مشکوٰۃ کے متعدد اوہام ہیں اہل علم ان کو بخوبی جانتے ہیں باقی جاہلوں کو سمجھانا اور ان کا سمجھنا اور پھر ضدیوں کا ماننا بہت مشکل ہے و ثانیاً حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کی اس روایت میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ حضرت امام شافعیؒ نے اپنی سند کے ساتھ کتاب الام ج ۱ ص۷۳ طبع بولاق مصر) میں نقل کیے ہیں اور انہیں کے حوالہ سے امام ابن الحاج المالکیؒ (المدخل ج ۱ ص۸۱ طبع مصر) میں اور علامہ الساعاتیؒ نے (بلوغ الامانی ج ۴ ص۳ طبع مصر) میں نقل کئے ہیں اور اس کی سند یوں ہے اخبرنا الربیع قال اخبرنا الشافعیؒ قال اخبرنا ابراھیم بن محمد قال حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن ابی الزبیر انہ سمع عبد اللہ بن الزبیر الخ اس کی سند میں ابراہیم بن محمد واقع ہے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ وہ اگر کسی بلندی سے گر جاتے تو ان کے لئے زیادہ عزیز تھا بہ نسبت اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے اور فرمایا کہ وہ حدیث میں ثقہ تھے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص۱۵۹) لیکن یہ حضرت امام شافعیؒ کی اجتہادی غلطی ہے کہ وہ ایسے راوی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کے سلسلہ میں ثقہ ہے، کتب اسماء الرجال میں اس پر کڑی جرح موجود ہے، چنانچہ امام الجرح والتعدیل یحییٰؒ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں میں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ کیا ابراہیم بن محمد ثقہ ہے؟ فرمایا حدیث میں تو کیا ثقہ ہوتا دین میں بھی ثقہ نہیں ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ قدری (منکر تقدیر) معتزلی اور جہمی تھا ہر عیب اس میں موجود تھا اور فرمایا کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جا سکتی لوگوں نے اس کی حدیث بالکل ترک کر دی ہے، وہ ایسی منکر روایات بیان کیا کرتا تھا جن کی کوئی اصل نہیں بشرؒ بن المفضلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فقہاء اہل مدینہ سے اس کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ کذاب ہے امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰؒ بن سعیدؒ بھی ان کو کذاب کہتے تھے اور امام یحییٰؒ بن سعیدؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ ہم اس کو متہم بالکذب سمجھتے ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ جہمی تھا امام ابن المبارکؒ اور باقی لوگوں نے اس کو بالکل ترک کر دیا تھا اور امام ابن معینؒ فرماتے تھے کہ وہ ثقہ نہیں نیز فرمایا کہ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس میں کذاب ہے اور نیز فرمایا کہ اس میں تین

خصلتیں تھیں وہ کذاب، قدری اور رافضی تھا۔ امام جوزجانیؒ فرماتے تھے کہ وہ نہ تو حجت ہے اور نہ اس کی روایت پر قناعت اور اعتبار کیا جا سکتا ہے اس میں طرح طرح کی بدعات تھیں امام نسائیؒ نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے، ثقہ نہیں ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جا سکتی اور امام علیؒ بن المدینیؒ نے فرمایا کہ وہ کذاب تھا امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے اور حدیث میں جھوٹ بولتا تھا، امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھا لیکن لوگوں نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے اور اس سے حدیث نہیں لکھی جا سکتی امام ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ساقط الحدیث تھا امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قدری، معتزلی اور رافضی تھا اور ثقہ نہیں تھا۔ !اسمٰعیلؒ بن موسٰی العباسیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا کہ تیرا غلام (حضرت) ابوبکرؓ اور (حضرت) عمرؓ سے بہتر ہے معاذ اللہ تعالیٰ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ وہ رافضی گالیاں دینے والا اور رجابون تھا (عربی میں جابون کے معنی گانڈو کے بھی آتے ہیں اور جو شخص برائی میں منہمک اور متہم ہو اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے) امام بزارؒ فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا اس کے سامنے جعلی مسائل پیش کیے جاتے تو وہ فوراً ان کی اسانید وضع کر لیتا تھا اور وہ قدری تھا اور وہ حضرت امام شافعیؒ کا استاد تھا مگر ان کا استاد ہونا ہمیں سخت ناگوار ہے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۸ تا ص ۱۶۱ ملخصاً) یہ ہے بصوتہ الاعلیٰ کی روایت کا راوی لاحول ولاقوۃ الا باللہ و ثالثاً اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا وہی جواب کافی ہے جو حضرت امام شافعیؒ نے دیا ہے کہ برائے تعلیم تھوڑا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ پڑھا نہ یہ کہ اس پر مداومت فرمائی اور حضرت امام شافعیؒ کے حوالہ سے یہی جواب شارح حدیث اور حضرات فقہاء اسلامؒ نے نقل کیا ہے جیسا کہ آپ پہلے باحوالہ تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کر چکے ہیں اور حضرت ملا علی القاریؒ بصوتہ الاعلیٰ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ تعلیماً لمن حضر معہ من الملأ (مرقات ج ۲ ص ۳۵۸) آپ نے یہ جہر حاضرین کی جماعت کی تعلیم کے لئے کیا تھا اور پہلے باحوالہ عرض ہو چکا ہے کہ تعلیم کے لئے جہر بقدر ضرورت جائز ہے، اس سے زائد نہیں۔ و رابعاً مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ورنہ کافی حد تک مغالطہ خود بخود رفع ہو جاتا پوری عبارت یہ ہے۔

و این حدیث صریح است در جہر ذکر۔
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باواز بلند میخواند
اما بعض علماء گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود و نوویؒ
در مہذب گفتہ کہ افضل اخفاء است دریں
دعا و جز آں خواہ امام بود یا منفرد الا آنکہ حاجت
تعلیم بود وہم بریں حمل کردہ شدہ است جہر
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم باں و بعد از انکہ محفوظ
گشت افضل اخفاء است و حق آنست کہ
اوقات مختلف است گاہے ذوق حضور
در اخفاء است دہد و گاہے در جہر شوق و
گرمی مے افزاید و جہر ذکر مشروع است
بلا شبہ انتہی (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۲۱
طبع مصطفائی و طبع لاہور ج ۱ ص ۴۱۸)

اور یہ حدیث ذکر بالجہر کے متعلق صریح ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھا کرتے
تھے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا بلند آواز سے پڑھنا حضرات صحابہ کرامؓ
کی تعلیم کی خاطر تھا اور امام نوویؒ نے مہذب میں
کہا ہے کہ اس دعا میں بھی اور دوسری دعاؤں
میں بھی افضل یہی ہے کہ امام ہو یا منفرد آہستہ
پڑھے مگر یہ کہ تعلیم کی ضرورت پڑے اور آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جہر کو اسی پر حمل
کیا گیا ہے۔ اور جب دعائیں یاد ہو جائیں تو
اس وقت آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور حق یہ
ہے کہ اوقات مختلف ہیں کبھی ذوقِ حضور اخفاء
میں ممد ہوتا ہے اور کبھی جہر میں شوق اور گرمی
بڑھتی ہے اور ذکر بالجہر بلا شبہ مشروع ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحبؒ کے نزدیک حالات مختلف ہیں کسی مقام پر جہر وہی
مقام جہاں شرعاً جہر ماثور و منقول ہے جیسا کہ لمعات کے حوالہ سے یہ بات پہلے گذر چکی ہے، اور کسی
مقام پر اخفاء زیادہ افضل اور بہتر ہے ہاں تعلیم کا مسئلہ الگ ہے اور ایک مقام میں نمازوں
کے بعد اذکار کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

و در حدیث مسلم آمدہ کہ ایں دعا را باعلی صوت
می گفت و بعضے علماء گفتہ اند کہ افضل در
جمیع انواع اخفاست در ذکر و در دعاء
ہم امام را وہم منفرد را و جہر آنحضرت صلی

مسلم کی روایت میں (جس کی مفصل بحث پہلے
گذر چکی ہے۔ صفدر) آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ دعا پڑھی اور
بعض علماء فرماتے ہیں کہ افضل تمام انواع میں

اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے تعلیم بودو اگر در جائے دیگر امام را مصلحت در جہر و اعلان بود و بقصد تعلیم و اعلام کند درست است بلکہ مستحسن باشد اھ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۴۳۸ طبع نولکشور)

انحصار ہے عام اس سے کہ ذکر ہو یا دعا امام ہو یا منفرد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہر فرمانا تعلیم کی خاطر تھا اور کسی ایسی ہی جگہ میں اگر امام کو جہر اور اعلان کی مصلحت درپیش ہو اور تعلیم اور اظہار کا مقصد ہو تو اس موقع پر بلند آواز سے پڑھنا درست ہی نہیں بلکہ مستحسن بھی ہے۔

یہ عبارت بھی تعلیم کے موقع کو واضح کر رہی ہے، مؤلف ذکر بالجہر نے حضرت شیخ صاحبؒ کی ایک اور عبارت اِرْبَعُوا علیٰ اَنْفُسِکُمْ الحدیث کی شرح میں نقل کی ہے ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، اس مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا نہ اس وجہ سے کہ جہر جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر مقامات پر اذکار اور دعاؤں میں جہر کیا ہے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر مسجد کے لئے اینٹ اور پتھر اٹھاتے وقت اور اسلاف صحابہؓ و تابعینؒ سے بھی جہر منقول ہے اور یہ تمام امور جہر کے جواز اور ذکر کے لئے اجتماع کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۱ ذکر بالجہر ص ۵۵)

الجواب: ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ ایسے مقامات میں جہاں اجتماعی کاموں میں ولولہ، گرمی اور جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ذکر کے لئے آواز بلند کی جائے تو جہر درست ہے جیسے خندق کھودتے وقت یا مسجد تعمیر کرتے وقت حضرات صحابہؓ کرام نے کیا اور آج تک مسلمان ایسا کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن ہر مقام میں ایسا نہیں ہوا اور نہ یہ درست ہے۔

تیسری حدیث۔ مؤلف مذکور نے ص ۲۸ و ص ۲۹ میں بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱ و مسلم ج ۲ ص ۳۴۳ اور مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۶ کی اس حدیث قدسی سے بھی ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے جس میں وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ الحدیث کے الفاظ آتے ہیں اور پھر اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۸۰ محصلہ)

الجواب:۔ اس حدیث کی بقدر ضرورت بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ اس میں صراحتًا جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور اصل جھگڑا ہی اسی میں ہے اور اس کے مفہوم اور اقتضاء سے جو جہر ثابت ہو رہا ہے وہ مضر نہیں کیونکہ اس سے ایسے مقامات میں جہر مراد ہے جہاں شرعًا جہر ثابت ہے جیسا کہ خود حضرت شیخ صاحبؒ سے اس کی تشریح گذر چکی ہے اس سے ہر ہر جگہ اور ہر ہر موقع پر جہر ثابت کرنا علمی اور تحقیقی طور پر درست نہیں ہے اور پھر قرآن کریم معتبر کتب تفسیر حدیث شریف اور حضرات فقہاء کرامؒ کی سابق تصریحات کے مقابلہ میں اس ضمنی اور بالتبع عمومی ثبوت کو کون سنتا اور مانتا ہے؟ علاوہ ازیں مسلم ج ۲ ص ۳۴۵ کی ایک روایت میں ہے وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسون بینھم الحدیث جس سے پڑھنے پڑھانے اور تعلیم کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف اجتماعی ذکر کا لہٰذا یہ حدیث اس کی تفسیر ہے۔

چوتھی حدیث

مؤلف مذکور نے ص ۲۹ و ۳۰ میں بحوالہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲ نسائی شریف کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد تین بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کا ورد کرتے اور تیسری مرتبہ آواز سے اس کو پڑھتے تھے اور اس کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے اور وہ بلاشبہ ثابت ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۳۷) اور اس کے بعد حضرت ملا علی ن القاریؒ کی مرقات سے علامہ مظہرؒ کا حوالہ دیا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۱۷۰) محصلہ

الجواب:۔ یہ روایت نسائی ج ۱ ص ۱۹۶ میں متعدد اسانید کے ساتھ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ عن ابیہ الخ مروی ہے اس روایت کے حوالہ میں بھی صاحب مشکوٰۃ کا فنی طور پر ایک وہم ہے وہ لکھتے ہیں وفی روایۃ للنسائی عن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ عن ابیہ الخ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲ حالانکہ نسائی میں یہ روایت عن سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ عن ابیہ الخ ملاحظہ ہو ص ۱۹۶ ہاں البتہ ہشامؒ نے اس کو یوں مرسلًا نقل کیا ہے

عن سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث الغرض یہ روایت عبد الرحمٰنؓ بن ابزیٰ کا مسند ہے جو صحابی تھے (تہذیب ج ۶ ص ۱۳۲) نہ کہ ابزیٰ کا کیونکہ اس کا اسلام ہی ثابت نہیں ہے تو یہ اس کا مسند کیونکر ہو سکتا ہے؟) ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بلند آواز سے یہ کلمات پڑھے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ تیسری مرتبہ آپ نے آواز مبارک بلند کی بلا شبہ آپ نے بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات پڑھے لیکن تعلیم کی خاطر اور پہلے یہ بات عرض ہو چکی ہے کہ تعلیم کی خاطر آواز بلند کرنا جائز ہے نہایت افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے علامہ مظہرؒ کی عبارت اس مقام پر لفظ الاستحباب تک نقل کی ہے اور آگے ضروری قید اور شرط ترک کر دی ہے ہم پوری عبارت مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

قال المظہر ھذا یدل علیٰ جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب اذا اجتنب الریاء اظہارًا للدین وتعلیما للسامعین وایقاظًا لھم من رقدۃ الغفلۃ وایصالًا لبرکۃ الذکر الیٰ مقدار ما یبلغ الصوت الیہ من الحیوان والشجر والحجر والمدر وطلبًا لاقتداء الغیر بالخیر ولیشھد لہ کل رطب ویابس سمع صوتہ وبعض المشائخ یختار اخفاء الذکر لانہ ابعد من الریاء وھذا متعلق بالنیۃ ذکرہ مولانا علی ن القاریؒ وقال الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی فی الحدیث دلیل علیٰ شرعیۃ الجھر

مظہرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے بشرطیکہ ریاء سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس طرح دین کے اظہار اور سامعین کی تعلیم اور ان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے اور جہاں تک ذکر کی آواز پہنچتی ہے عام اس سے حیوان اور درخت تک پہنچے یا پتھر اور ڈھیلے تک برکت پہنچانے کا موقع فراہم ہوتا ہے اور اس طرح بھلائی میں دوسروں کی اقتدار کی خواہش بھی ہے اور تاکہ ہر تر اور خشک چیز جس نے اس کی آواز سنی ہے اسکے لئے گواہی دے اور بعض مشائخ نے اس کو پسند کیا ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ ریاء سے دور تر ہے اور یہ نیت سے

بالذکر وھو ثابت فی الشرع بلا شبھة لکن الخفی منہ افضل فی غیر ما ثبت فی الماثور انتھی ۔

(حاشیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۱۹۶)

متعلق ہے اس کا ذکر مولانا علی القاریؒ نے کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے مشروع ہونے کی دلیل ہے اور بلاشبہ شریعت میں وہ ثابت ہے لیکن جہاں شرعاً جہر منقول نہیں وہاں افضل آہستہ ذکر ہی ہے ۔

اس عبارت میں دیگر ضروری باتوں کے علاوہ تعلیماً للسامعین کا جملہ بھی نہایت ضروری تھا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہر بالذکر کی یہ کاروائی تعلیم سامعین کی خاطر تھی لیکن مؤلف مذکور نے اس کا یہاں سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور پھر اس میں بعض مشائخ کے حوالہ سے آہستہ ذکر کے افضل ہونے کی تصریح بھی ہے اور آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حوالہ سے اس کی بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ جن جن مقامات میں ذکر بالجہر مروی ہے ان کے علاوہ ذکر آہستہ ہی افضل و بہتر ہے ۔ غرضیکہ اس روایت سے بھی مطلقاً ذکر بالجہر پر استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ ان مقامات میں ذکر بالجہر درست ہے جہاں شریعت سے ثابت ہے اور جہاں جہر ثابت نہیں وہاں آہستہ ہی افضل ہے ۔

پانچویں حدیث

مؤلف مذکور نے اس طویل حدیث سے بھی جہر پر استدلال کیا ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ذکر کی مجلسوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پس انہیں جہاں مجلس ذکر ملتی ہے وہ اس مجلس کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مجلس ذکر سے لیکر آسمان دنیا تک تمام فرشتوں سے بھر جاتی ہے الحدیث (مسلم ج۲ ص۳۴۴ و مشکوٰۃ ج۱ ص۱۹۷) علامہ خیرالدین رملیؒ فرماتے ہیں کہ جماعت سے جو ذکر ہو وہ جہراً ہی ہوتا ہے (فتاویٰ خیریہ ج۲ ص۱۸۱) نیز فرشتوں کا سُننا جہر پر قرینہ ہے علاوہ بریں اس میں یُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ الخ جمع کے صیغے ہیں اور جب تک جہر کے ساتھ یہ کلمات ادا نہ کئے جائیں ان میں جماعتی رنگ پیدا نہیں ہوتا اور امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یعنی بعض فرشتے دوسرے فرشتوں

کو مجلس میں حاضر ہونے اور ذکر سننے پر برانگیختہ کرتے ہیں (شرح مسلم ج۲ ص۳۴۲) اور ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ بعض فرشتے دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں کہ وہ ذاکرین کی زیارت کریں اور ان کا ذکر سنیں (مرقات ج۵ ص۵۶) (محصلہ ذکر بالجہر ص۳۰ تا ص۳۲)

الجواب: اس ساری روایت میں کہیں بھی جہر کا ذکر نہیں ہے مؤلف مذکور نے متعدد حوالے دے کر جہر کے اثبات کے لئے جو سیڑھیاں تیار کی ہیں وہ ان کو سودمند نہیں ہیں اولاً تو اس لئے کہ اس حدیث میں ذکر سے علی التعیین معہود ذکر مراد لینا ہی قطعی نہیں ہے اس میں وعظ و نصیحت اور قرآن و حدیث کے درس کا ذکر بھی مراد ہو سکتی ہے اور وعظ و مقرر سے کوئی اچھا جملہ سُنکر بعض اوقات پورا مجمع سبحان اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ کے الفاظ کہہ کر داد تحسین بھی دے سکتا ہے اور دیا کرتا ہے۔ وثانیاً کیا ضروری ہے کہ ذکر بالجہر ہو تب ہی فرشتے سنیں یا ایک دوسرے کو سننے پر آمادہ اور برانگیختہ کریں کیا آہستہ ذکر فرشتے نہیں سنتے ؟ اور کیا آہستہ ذکر کو کرا ماً کاتبین نہیں لکھتے ؟ مؤلف مذکور نے یہ کیسے اور کیونکر سمجھ لیا ہے کہ جہر ہو تب ہی فرشتے سنتے ہیں ؟ امام محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ

کل ذکر یشعر به قلبك تسمعها الملائكة الحفظة الخ (حاشیہ جلالین ص۴۹۲) — ہر وہ چیز جس کو تیرا دل شعور کرتا ہے اس کو نگرانی کرنے والے فرشتے سنتے ہیں۔

اور مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ۔ اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے ارادہ کو بھی لکھتے ہیں (بیان القرآن ج۱۱ ص۴۷) اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ فرشتے اور وہ انسان کا ہر عمل اور اس کی ہر بات لکھنے پر مامور ہیں (حاشیہ ص۷۵) وثالثاً یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ مجلس ذکر وہ ہو جس میں تعلیم ذکر مقصود ہو (جب کہ جہر مفرط نہ ہو اور نمازیوں کو سونے والوں اور عام لوگوں کو تکلیف و تشویش نہ ہوتی ہو جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے) اور ایسی مجلس محل نزاع سے خارج ہے اور آج بھی بعض بزرگانِ دین کا اس پر عمل ہے لیکن نہ تو ان کا جہر مفرط ہوتا ہے اور نہ لاؤڈ سپیکر پر ہوتا ہے اور نہ نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے ورابعاً جو شخص قصد اور ارادہ کے ساتھ مجلسِ ذکر میں بیٹھ کر ذکر سنتا ہو وہ ایک شخص ہو یا کئی اشخاص

ہوں شرعاً سب ذاکر متصور ہوتے اور سب ثواب کے مستحق ہیں حالانکہ ایک جملہ بھی وہ زبان سے نہیں بولتے کیا ضروری ہے کہ سب بولیں تب ہی وہ ذاکر ہوں چنانچہ خود مؤلف مذکور نے اسی حدیث کی شرح میں یہ بھی نقل کیا ہے۔

اور فِيْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ اِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ کے تحت (حضرت ملا علی القاریؒ) فرماتے ہیں:۔

ای ما ذکر اللہ قصدًا او اخلاصًا والا استماع الذکر ذکر (مرقات ج ۵ ص ۵۶ تا ۵۸ ذکر بالجہر ص ۳۲)

یعنی اس شخص نے اللہ کا ذکر قصداً یا اخلاصاً نہیں کیا ورنہ ذکر کو سننا بھی ذکر ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کا سننا بھی ذکر کے حکم میں ہے ایسے صاف اور صریح قرینہ کے ہوتے ہوئے کیا ضروری ہے کہ اس مجلس کا ہر آدمی ہی ذکر کرے تاکہ اس میں جماعتی رنگ اور جماعتی انداز پیدا ہو جو مؤلف مذکور کا مدعٰی ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ذکر کرے یعنی وعظ و نصیحت کرے اور باقی مجلس دلجمعی اور خاموشی کے ساتھ اس کا ذکر سُنتے ثواب میں سب شریک ہیں۔

چھٹی حدیث۔

اس کے بعد مؤلف مذکور نے مسلم ج ۲ ص ۳۵۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۸ کی اس روایت سے بھی استدلال کرنے کی ناتمام سعی کی ہے جس میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت پر تشریف لائے اور فرمایا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو عرض کیا ہم اللہ کا کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی الحدیث (محصلہ) اس کے بعد مؤلف مذکور موج میں آکر لکھتا ہے یہ الفاظ مسلم شریف کی روایت میں ہیں حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں بھی جماعت اور حلقہ کے ساتھ ذکر کا بیان ہے اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر سے ذکر بالجہر مراد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ ذکر بالجہر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے اھ (ص ۳۳ و ۳۴)

الجواب:۔ یہ حدیث بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ سے غیر متعلق ہے اس سے تو صرف یہ

ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آپس میں بیٹھ کر اس بات کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ان کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ اور دولت بے پایاں نصیب فرمائی اس میں اس ذکر کا کس طرح اور کس جملہ سے ثبوت ملتا ہے جس کے اثبات پر مؤلف مذکور خواہ مخواہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے پہلے باحوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ تعلیم کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ نہ تو دعا بلند آواز سے کرتے تھے اور نہ ذکر اور اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفیؒ کے یہ الفاظ مجمعًا من الصحابۃؓ ص۱ میں گذر چکے ہیں حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ حضرات صحابہ کرامؓ کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ بتائے ہوئے اَقَلُّھَا تَکَلُّفًا (یہ حدیث مشکوٰۃ ج۱ ص۳۲ میں موجود ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ولا یتحلقون للاذکار والصلوٰت برفع الصوت فی المساجد ولا فی بیوتھم (مرقات ج۱ ص۲۱۴)

وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔

اس عبارت میں للاذکار کا لفظ خاص طور پر قابل توجہ ہے یعنی اذکار کی خاطر وہ حلقے نہ باندھتے تھے ان کے حلقے تعلیم دین اور تعلیم ذکر کے لئے تو ہوتے تھے لیکن محض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقے باندھتے تھے اور نہ مسجدوں میں اب غور کرنا مؤلف مذکور کا کام ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ذکر بالجہر کے لئے حلقے باندھتے تھے؟ یا وہ اس کاروائی کے خلاف تھے؟ حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تو ہرگز نہ تھا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

یکون فی آخر الزمان عبادٌ جھالٌ وقراءٌ فسقۃ (ملک ای صحیح الجامع الصغیر ج۲ ص۲۰۶)

آخر زمانہ میں ایسے عابد ہوں گے جو دین سے بالکل جاہل ہوں گے اور ایسے قاری ہوں گے جو فاسق ہوں گے۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہم سب فدا اور قربان ہوں آپ نے جو کچھ فرمایا ہم نے مشاہدۃً دیکھ لیا عبادت اور ثواب کے شوق میں میلاد گیارھویں، بلند

آواز سے ذکر درود وغیرہ کئی بدعات سامنے آچکی ہیں اور ڈاڑھی منڈے اور قبضہ سے کم ڈاڑھی کٹوانے والے اور سر پہ انگریزی وضع کے بال رکھنے والے نمازوں میں سست اور طلب زر میں چست قاری بھی ہم نے دیکھ لئے ہیں اور معلوم نہیں آگے کیا کچھ ہوگا؟ ؎
سَتُبْدِیْ لَكَ الْاَیَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا   وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ!

ساتویں حدیث

مؤلف مذکور نے ذکر بالجہر ص۲۲۱و۲۲۲ میں اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ ج۱ ص۱۰۷ میں ابوداؤد ج۱ ص۱۸۸ اور ترمذی ج۱ ص۵۹ سے نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ نماز (تہجد) میں قرأت آہستہ کر رہے تھے اور حضرت عمرؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں جب دونوں اکٹھے ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو قدرے بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم اپنی آواز قدرے پست کرو (محصلہ) مؤلف مذکور نے اس روایت سے مطلق ذکر کے جہر پر استدلال کیا ہے جب اس پر یہ اشکال پیش آیا کہ یہ تو نماز کے بارے میں ہے تو بزعم خویش اس کے چار جواب دیئے یہ کہ جب حکم کا منشاء خاص کی خصوصیت نہ ہو تو حکم عام کی طرف راجع ہوتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے ہمارا استدلال ارفع من صوتك کے عموم الفاظ سے ہے اور یہاں وہ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں اور وہ اپنے عموم واطلاق پر ہے اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں ہوتا، علامہ ابن حجر مکیؒ نے فتاوٰی حدیثیہ ص۶۵ میں اس حدیث سے ذکر بالجہر استدلال کیا ہے (محصلہ)

الجواب: لفظوں کے کرتب اور عبارت کی شعبدہ بازی سے کچھ نہیں بنتا یہاں ذکر بالجہر پر صریح دلیل درکار ہے، یہ حدیث صرف نماز سے متعلق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرات شیخینؓ کو نماز میں متوسط اور معتدل جہر کی تلقین فرمائی ہے مطلق اور عمومی ذکر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نماز میں جہر اور سر کا مسئلہ ہی الگ ہے مؤلف مذکور کے دوسرے اور تیسرے جواب کا ماحصل ایک ہی ہے محض جوابات کی گنتی بڑھانے

کے لیے لفظوں کے ہیر پھیر سے کچھ نہیں بنتا اس مسئلہ میں جب قرآن وحدیث میں اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً الآیۃ اور اِرْبَعُوْا عَلٰی انفسکم الحدیث اور خیر الذکر الخفی وغیرہ سے الگ ضابطہ اور حکم موجود اور منطوق ہے تو اس کے ہوتے ہوئے یہاں عموم الفاظ اور خصوص مورد کے غیر متعلق مضمون کو چھیڑنا بالکل لاحاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ روز عاشورا، شب برات ستائیسویں رجب اور ماہ رجب کی پہلے جمعہ کی رات (جس کو لیلۃ الرغائب بھی کہتے ہیں) کو اہتمام اور تداعی کے ساتھ نماز باجماعت کے مکروہ ہونے پر فقہی رنگ میں، خاصی بحث کرتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین آدمی اگر نفلی نماز میں بدون تداعی واہتمام کے مل جائیں تو صحیح ہے چار میں اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ ہے (بحوالہ شمس الائمہ الحلوانی، مکتوبات مکتوب نمبر ۲۸۸ دفتر اول حصہ پنجم ص ۹) اور مطلق روایات کو مقید پر حمل کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

واگر روایتے پیدا شود کہ از ذکر عدد ساکت باشد و مطلقاً مجوز باشد ادا نفل بجماعت آنرا حمل باید کرد بر مقید کہ در روایات دیگر واقع شدہ است واز مطلق مقید مراد باید داشت وجواز مقصور بر اثنین یا ثلث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگرچہ در اصول مطلق را بر اطلاق میگذارند و بر مقید حمل نمی کنند امادر روایات حمل مطلق بر مقید جائز داشتہ اند بلکہ لازم دانستہ واگر بطریق فرض محال حمل نکنیم و بر اطلاق بگذاریم ہر آئینہ ایں مطلق معارض خواہد بود مرآں مقید را اگر در قوت برابر باشد و مساوات در قوت ممنوع است

اگر کوئی روایت ایسی ظاہر ہو کہ عدد کے ذکر سے ساکت ہو اور مطلق طور پر وہ نفلی نماز کو باجماعت ادا کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہو تو اس کو مقید پر حمل کیا جائے گا اور اس قید کو ملحوظ رکھا جائے گا جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینی چاہیے اور جواز کو دو یا تین پر بند سمجھنا چاہیے کیونکہ علماء احناف اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر چھوڑتے ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے مگر روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کو وہ جائز قرار دیتے بلکہ لازم سمجھتے ہیں اور اگر فرض محال کے طور پر ہم مطلق کو مقید پر حمل نہ کریں اور اطلاق پر چھوڑ دیں پھر تو بہر کیف

چہ روایات کراہت باوجود کثرت مختار ومفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت وَلَوْ سُلِّمَ مَسَاوَاتُهُمَا گوئیم کہ بر تقدیر تعارض ادلہ کراہت وادلہ اباحت ترجیح جانب کراہت راست کہ رعایت احتیاط در آن است چنانچہ مقرر اہل اصول فقہ است پس جماعت کہ روز عاشوراً و شب برأت ولیلۃ الرغائب نماز بہ جماعت مے گذارند و دویست و سی صد و سی صد کس کم وبیش کہ در مسجد ہا جمع میشوند وآن نماز را و اجتماع و جماعت را مستحسن می پندارند مرتکبان امر مکروہ اند باتفاق فقہاء و مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایات است چہ حرام را مباح دانستن منجر بہ کفر است و مکروہ حسن پنداشتن یک مرتبہ از اں پایاں است شناعت این فعل را نیک ملاحظہ باید نمود اھ

(مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ۲۸۸ صفہ)

مطلق اس مقید کا معارض ہو گا اگر دونوں ایک درجہ کے قوی ہوئے لیکن قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات باوجود کثرت کے مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے (کہ وہ ایسی نہیں ہیں) اور اگر ان کی آپس میں مساوات بھی تسلیم کر لی جائے تو ہم کہتے ہیں کہ جب کراہت اور اباحت کی دلیلیں آپس میں متعارض ہوں تو ترجیح کراہت کو ہو گی کیونکہ احتیاط کا پہلو اسی میں ملحوظ رہ سکتا ہے چنانچہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ مقرر ہے۔ پس لوگوں کی وہ جماعت جو عاشوراء کے دن اور شب برأت اور لیلۃ الرغائب (رجب کے پہلے جمعہ کی رات) میں کم وبیش دو دو سَو اور تین تین سَو آدمی جماعتی شکل میں مسجدوں میں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور اس اجتماع اور جماعت کو مستحسن سمجھتے ہیں وہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اتفاق سے مکروہ امر کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو اچھا سمجھنا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک پہنچانے والا ہے اور مکروہ کو اچھا سمجھنا اس سے ایک درجہ نیچے ہے اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی اس عبارت سے مؤلف مذکور کا یہ مغالطہ بھی رفع ہو جاتا ہے کہ وہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھ کر اپنی گاڑی چلانے پر مُصر ہے۔

اعتراض ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کرامؒ کے اقوال بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں کیونکہ کوئی اس کو بدعت کہتے ہیں اور اور کوئی اس کو مکروہ کہتے ہیں لہٰذا وہ ایک حکم پر متفق نہیں ہیں۔

الجواب:۔ اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں دونوں تعبیروں کا مفاد ایک ہی ہے چنانچہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ (المتوفیٰ ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں سوال پنجاہ وپنجم ادنیٰ بدعت سیئہ چہ است واعلیٰ چہ جواب ادنیٰ بدعت مکروہ است واعلیٰ بدعت کفر است (مائۃ مسائل ص۸۶ طبع مصطفائی دہلی) اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کا ادنیٰ درجہ اور مکروہ ایک شے ہے اور اعمال و احکام کے درجہ میں بدعت سے مراد عموماً مکروہ ہوتی ہے عام اس سے کراہت تنزیہہ ہو یا تحریمیہ ہاں عقائد کے مد کی بدعت بالعموم کفر ہوتی ہے۔ رہا امام ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفیٰ ۹۷۵ھ) کا ارشاد کہ یہ حدیث ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہے سو دمند نہیں کیونکہ اگر قرآن کریم اور صحیح حدیث میں آہستہ ذکر کا حکم نہ بھی ہوتا صرف اجتہاد ہی سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی تب بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے پیروکار فقہاء احنافؒ کے مقابلہ میں امام ابن حجر مکی الشافعی الصوفیؒ کے اجتہاد اور استدلال کا کوئی مقام نہ تھا حالانکہ یہاں وزنی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے لہٰذا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حکم اور ارشاد کے مقابلہ میں جس کی بنیاد نص قطعی پر ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ کے استدلال کو کون سنتا اور مانتا ہے؟ قارئین کرام غور فرمائیں کہ دوسروں کو وہابیت کا طعنہ دینے والے اور خود کو حنفی اور اہل السنت کہلانے والے ہی نہیں بلکہ حنفیت کے بلا شرکت غیرے واحد ٹھیکیدار کس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کے صریح فتوی کو جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے اور حضرات فقہاء احنافؒ میں ارباب فتاویٰ کے واضح فتووں کو چھوڑ کر کس طرح اپنی خواہش کی خاطر ایک شافعی المسلک اور صوفی المشرب بزرگ کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہیں اور غضب ہے کہ بایں ہمہ انکی حنفیت میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا اور نہ حنفی اور سنی کہلانے میں وہ شرم ہی محسوس کرتے ہیں اور طعنہ دوسروں کو وہابیت کا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کرے کہ ہماری یہ سوز کی آواز ان کے دل کے کانوں تک پہنچ جائے جسمی کانوں کے ساتھ سننے کا چنداں فائدہ نہیں ؎

وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو
وہ طرز نالہ ہو جو اس کو بے قرار کرے

بابُ دہم

آخری حربہ

مؤلف مذکور نے قرآن کریم، احادیث اور شراح حدیث وغیرہم حضرات سے ذکر بالجہر کے اثبات پر جو استدلال کیا ہے وہ آپ نے ملاحظہ کرہی لیا ہے، اب ان کے ترکش کا آخری تیر بھی ملاحظہ کریں، مؤلف مذکور نے ص۳۸ و ص۳۹ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی الحنفیؒ کی ادھوری عبارت نقل کی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی پوری عبارت نقل کردیں۔

(مطلب سوم)

دیگر حقیقت ذکر جہر وحق آنست کہ انکار آن سفاہت واضح است در تلاوت قرآن جہر صریح است ما اذن اللہ لشئ ما اذن یعنی تغنی بالقرآن یجھر بہ ودر تلبیہ حج آمدہ افضل الحج العج والثج ای رفع الصوت بالتلبیۃ واراقۃ الدم وقرآن رافضیلت معروف است وکنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالذکر وفضل الذکر الذی یسمعہ

(تیسرا مطلب)

اور وہ ذکر بالجہر کی حقیقت ہے اور اس میں حق یہ ہے کہ اس کا (کلیتہً) انکار کھلی بیوقوفی ہے قرآن کریم کی تلاوت کے جہر کے بارے (حدیث میں) صراحت آئی ہے کہ اللہ تعالے نے اور کسی چیز کی ایسی اجازت نہیں دی جیسی جہر سے قرآن پڑھنے کی دی ہے۔ اور حج کے تلبیہ کے بارے میں آیا ہے کہ بہترین حج وہ ہے جس میں آواز بلند کی جائے اور قربانی کی جائے اور قرآن کی فضیلت معروف ہے اور یہ (حدیث) کہ ہم آنحضرت صلے اللہ

الحفظة علی الذی لایسمعہ الحفظة بسبعین ضعفاً و بناء طریقہ چشتیہ و اویسیہ و قادریہ کہ ہمہ پیران ما اند بر ذکر جہر است حکم بآنکہ فعل حرام موجب قرب الٰہی نمی شود باطل است بلکہ ذکر جہر موجب جمعیتے است کہ بالاتر از اں جمعیتے نیست چوں خواجہ علاؤالدیں غجدوانیؒ بعد رفتن حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ بر حج ذکر جہر استماع کردند و بعد مراجعت عذر آوردند بآنکہ شمارا بسبب قوت باطن حاجت ایں نبود مارا ازیں نفع بسیار شد حضرت خواجہ نقشبندؒ انکار آں نکردو چوں خود از روح حضرت خواجہ عبدالباقی غجدوانیؒ ذکر خفیہ و عمل بر عزیمت گرفتہ بودند خود نمی کردند و مثل شمارا کہ در فقیہات تقدیم احادیث با جتہادیات میکنید دریں معنی تردد بیجا است اگرچہ مذہب حنفیاں باشد دراں روایت اگرچہ مشہور است لیکن فقیر رالعینہٖ آں کتاب یاد کردن محتاج تفحص است یک دفعہ خواجہ سرائے عالم بفقہیات از طرف بادشاہ روم امیر حج شدہ آمد در مدینہ با شیخ ابراہیم کردیؒ ملاقات نمود گفت کہ دریں سفر بدعت عظیم ازیں مردم دور کردم فرمودند کدام بدعت

علیہ وسلم کی نماز کا ختم ہونا ذکر کے ساتھ جانتے تھے اور یہ حدیث اکہ اس ذکر کی جس کو نگران فرشتے سنتے ہیں اس ذکر پر جس کو نہیں سنتے ستر گنا زیادہ فضیلت ہے اور حضرات چشتیہؒ، اویسیہؒ اور قادریہؒ کے طریقہ کی بنیاد ہی ذکر بالجہر پر ہے اور یہ سب ہمارے پیر ہیں یہ فیصلہ کہ فعل حرام اللہ تعالٰے کے تقرب کا سبب نہیں ہوتا باطل ہے بلکہ ذکر بالجہر دلجمعی کا ذریعہ ہے کہ اس سے بڑھ کر دلجمعی نہیں ہو سکتی جب خواجہ علاؤالدین غجدوانیؒ نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کے حج پر جانے کے بعد ذکر بالجہر سنا تو ان کی مراجعت کے بعد یہ عذر کیا کہ آپ کو باطنی قوت کی وجہ سے اس کی حاجت نہیں ہمیں تو اس سے بہت فائدہ ہوا حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اس کا انکار نہ فرمایا اور جب خود انہوں نے حضرت خواجہ عبدالباقی غجدوانیؒ کی روح اور فیض سے آہستہ ذکر اور عزیمت پر عمل حاصل کیا تھا تو خود حضرت خواجہ نقشبندؒ ذکر بالجہر نہیں کیا کرتے تھے اور آپ جیسے لوگوں کا جو مسائل فقہیہ میں حدیث کو اجتہادی مسائل پر مقدم کرتے ہیں اگرچہ وہ حنفیوں کا مذہب ہی کیوں نہ ہو اس معنی میں تردد بیجا ہے اس بارے میں اگرچہ روایت

گفت ذکر جہر از مسجد و شہر بیت المقدس
موقوف کنانیدم ایشاں ایں آیت خواندند
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ
يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا
چند روایت کہ از فتاوی نوشتہ بود پیش نمود
فرمودند اگر کار بتقلید است شما مقلد دیگر
و من مقلد دیگر و روایات شما بر من حجت
نیست و اگر کار بتحقیق است اینک
گوئے و میدان بعد ازیں چند رسالہ در اثبات
ذکر جہر نوشتہ اند بعض ازیں رسائل پیش
فقیر ہم موجود است بالجملہ الحق احق
بالاتباع والسلام۔
(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۵ طبع مجتبائی دہلی)

مشہور ہے لیکن فقیر کو بعینہٖ کتاب یاد کرنے
اور تفتیش کی ضرورت ہے ایک دفعہ خواجہ عالم
فقہیات بادشاہ روم کی طرف سے امیر حج بن
کر مدینہ طیبہ پہنچے اور شیخ ابراہیم کردیؒ سے ملاقات
کی اور فرمایا کہ اس سفر میں لوگوں کی ایک بہت
بڑی بدعت میں نے دور کی ہے فرمایا کونسی
بدعت؟ انہوں نے فرمایا کہ ذکر بالجہر مسجد اور
بیت المقدس سے میں نے موقوف کردیا ہے
انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور اس شخص
سے کون زیادہ ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ
کی مسجدوں میں اس کے ذکر سے روکا اور
ان کے خراب کرنے کی کوشش کی انہوں نے
چند فتاویٰ کی روایات جو لکھی ہوئی تھیں
پیش کیں شیخ ابراہیم کردیؒ نے فرمایا کہ اگر بات
تقلید کی ہو رہی ہے تو آپ دوسرے کے
مقلد ہیں اور میں دوسرے کا مقلد ہوں تمہاری
روایات مجھ پر حجت نہیں ہیں اور اگر معاملہ تحقیق
کا ہے تو یہ گیند اور میدان موجود ہے اس کے
بعد انہوں نے کئی رسالے ذکر بالجہر پر لکھے ہیں
ان میں سے بعض رسالے اس فقیر کے سامنے بھی
ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ حق کی اتباع زیادہ مناسب
ہے فقط والسلام۔

اس عبارت میں چند امور نہایت ہی قابل غور ہیں پوری توجہ کے ساتھ ان پر نگاہ ڈالیں۔

ما قرآن کریم کی قرأت کے جہر کے ساتھ پڑھنے پر جو حوالہ دیا گیا ہے وہ صحیح بخاری ج۲ ص۷۵۱ و مسلم ج۱ ص۲۶۸ میں یوں ہے :- واللفظ للبخاریؒ

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یأذن اللہ لنبی ما اذن لنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتغنّیٰ بالقرآن وقال صاحب لہ یرید یجھر بہ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں اذن اور اجازت دی اپنے نبی کو جیسے اُس نے جہر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی ہے (یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں سُنا نبی کی کسی اور بات کو جیسا کہ اُس نے قرآن سُنا یعنی آپ کی طرف توجہ کی اور درجہ دیا)

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ

عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ما اذن اللہ لشئی ما اذن للنبی ان یتغنّیٰ بالقرآن قال سفیان تفسیرہ یستغنی بہ۔

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توجہ نہیں فرمائی (یا اجازت نہیں دی) اپنے نبی کے لئے جیسی قرآن کے بارے میں توجہ فرمائی۔ امام سفیانؒ نے فرمایا یعنی آپ اس کی بدولت مستغنی ہوئے۔

پہلی روایت میں یتغنّیٰ کا معنیٰ جہر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کے کیا ہے اور دوسری میں یہ معنیٰ بیان ہوا ہے کہ آپ کو قرآن کریم جیسی انمول دولت حاصل ہوئی تھی اس لئے آپ اپنے آپ کو اس کی وجہ سے غنی اور مستغنی سمجھتے تھے، اور اس کے حاشیہ میں اور بھی کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔

قولہ یرید ان یجھر بہ ای یحسن بہ صوتہٗ وھو احسن الاقوال فی تفسیر یتغنّیٰ وقیل المراد بہ التحزن و قیل التشاغل من تغنی بالمکان اقام بہ وقیل التلذذ والاستحلال

ان کا یہ قول کہ وہ یہ مراد لے رہے ہیں کہ بلند آواز سے وہ اس کو پڑھیں یعنی اچھی آواز سے پڑھیں اور یتغنّیٰ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں سے ایک یہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غم کا اظہار کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا

کما یستلذ اهل الطرب بالغناء وقیل هجیراه کما یجعل المسافر والفارغ هجیراه الغناء فیکون معنی الحدیث الحث علی ملازمۃ القرآن ۱۲ (توشیح ہامش بخاری ج۲ ص۱۵۷)

مطلب مشغول رہنا ہے تغنی بالمکان کا مطلب یہ ہے کہ وہاں مصروف اور مقیم ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لذت حاصل کرنا اور حلال سمجھنا ہے جیسے سُر والے گانے سے لذت حاصل کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل لگی کی عادت بنا لینا جیسا کہ مسافر اور فارغ آدمی گانے کو دل لگی کا ذریعہ بنا لیتا ہے سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر مداومت پر آمادہ کرنا ہے۔

حضرت امام نوویؒ نے بھی اس حدیث کے متعدد معانی نقل کئے ہیں اور امام ابوجعفر طبریؒ کے حوالہ سے امام سفیانؒ کی تفسیر کو لُغت اور معنیٰ کے لحاظ سے خطا قرار دیا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ

والصحیح انہ من تحسین الصوت ویؤیدہ الروایۃ الاخری یتغنی بالقرآن یجھر بہ انتھی۔ (شرح مسلم ج۱ ص۲۶۸)

اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد اچھی آواز سے قرآن کریم پڑھنا ہے اور اس کی دوسری روایت بھی تائید کرتی ہے جس میں یتغنی بالقرآن کے معنی یجہر بہ (یعنی بلند آواز کے ساتھ پڑھنے) آئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد لوگوں کو قرآن کریم پڑھ کر سنانا اور اس کی تعلیم دینا بھی تھا یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الآیۃ اس کی واضح دلیل ہے اور ظاہر بات ہے کہ تعلیم قرآن بغیر جہر کے کیسے ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم کی تعلیم اور تدریس اور اس کے ذریعہ سے تبلیغ دین محل نزاع سے بالکل خارج ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں اور پہلے یہ بات باحوالہ گذر چکی ہے کہ جب جہر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سے نمازیوں وغیرہم کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر جہر درست نہیں۔

(۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے تلبیہ میں رفع الصوت سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے اور

حدیث سے اس پر دلیل بھی انہوں نے پیش کی ہے اور یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں شرعاً جہر مطلوب و مقصود ہے اس حوالہ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان مقامات میں ذکر بالجہر کے قائل ہیں جہاں شریعت میں جہر مطلوب ہے جیسا کہ اس حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو یہ حدیث نقل کی ہے وکنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذکر کسی صحیح روایت میں بالذکر کے الفاظ نہیں مل سکے۔ بخاری ج ۱ ص ۱۱۶ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳ وغیرہ میں بالتکبیر کے الفاظ ہیں، ہاں البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت یوں ہے ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عہد النبی صلے اللہ علیہ وسلم الحدیث بخاری ص ۱۱۶ و مسلم ج ص ۲۱۷ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳ وغیرہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ روایت بالمعنیٰ کے قاعدہ کے مطابق دونوں روایتوں کی ملاکر دونوں کا خلاصہ بیان فرمادیا ہے اور اس حدیث کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے کہ پہلے ایسا ہوتا تھا پھر یہ ترک ہوگیا بلکہ یہ منسوخ ہوگیا اور اس پر اجماع بھی نقل کیا گیا ہے۔

۴ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان الفاظ سے جو یہ حدیث نقل فرمائی ہے وفضل الذکر الذی یسمعہ الحفظۃ علی الذی لایسمعہ الحفظۃ بسبعین ضعفا یہ ان کا وہم یا کتابت کی غلطی ہے اصل روایت اس طرح ہے وفضل الذکر الذی لایسمعہ الحفظۃ علی الذی یسمعہ الحفظۃ بسبعین ضعفاً پہلے تفسیر مظہری کے حوالہ سے بتخریج ابویعلیٰؒ حضرت عائشہ سے مرفوعاً یہ روایت یوں گذر چکی ہے تفضل الذکر الخفی الذی لایسمعہ الحفظۃ الحدیث اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔ حواشی حصن حصین میں بحوالہ مرقات بتخریج ابویعلیٰ بروایت حضرت عائشہؓ بدور سافرہ سیوطیؒ سے حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ذکر خفی جس کو حفظہ بھی نہیں سنتے ستر درجے فضیلت میں زیادہ ہے الی آخر الحدیث (بیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۰) اور یہ روایت مرقات ج ۳ ص ۶۵ میں اسی طرح ہے اور پہلے متعدد تفسیروں کے حوالہ سے یہ روایت گذر چکی ہے دعوۃ السر تعدل سبعین الخ یعنی آہستہ دعا ستر گنا کے برابر ہے۔ آگے حضرت شاہ صاحبؒ نے صوفیائے چشتیہ اور اویسیہ

اور قادریہؒ کی جو عبارتیں نقل فرمائی ہیں اور خصوصیت سے آخر میں حضرت شیخ ابراہیم کردیؒ کی ان کے بارے میں ہم تین باتیں عرض کرتے ہیں جو غور سے دیکھنے کے قابل ہیں۔

پہلی بات: حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سینکڑوں مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں حتیٰ کہ حلال وحرام اور جائز و ناجائز تک کے احکام میں اختلاف ہے ایک امام ایک چیز کو جائز اور حلال کہتے ہیں اور دوسرے اس کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں علماء کرام کا تو کہنا ہی کیا ہے کتب فقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی بھی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں ہمارے دلوں میں تمام ائمہ کرامؒ کی قدر و عظمت ہے اور ہمارے قلوب ان کی تعظیم و تکریم سے بحمد اللہ تعالیٰ بھرپور ہیں لیکن جب دلائل اور براہین کی قوت اور فقاہت کی گہرائیوں کا سوال اور تقابل سامنے آتا ہے تو ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دلائل کی قوت اور ان کی خداداد فقاہت کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسی طرح ہمارے دلوں میں تمام سلاسل کے اکابر کی بے پناہ محبت و عقیدت ہے وہ نقشبندی ہوں یا چشتی قادری ہوں یا سہروردی یا کسی اور سلسلہ سے وابستہ ہوں تمام ہمارے لئے قابل ہزار احترام ہیں اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ ان حضرات کی محبت نجات کا بہترین ذریعہ ہے[5] اور ان میں سے اہل اجتہاد حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو کارنامے سر انجام دیئے ہیں گو وہ فی نفسہٖ غلط بھی ہوں مگر ان میں نہ صرف یہ کہ وہ معذور ہوں گے بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ ماجور بھی ہوں گے لیکن جب کسی بزرگ کا کوئی فتویٰ یا عمل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل سے متصادم ہوگا تو اس میں ہم حضرت ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کا نرا اجتہاد بھی بڑی وزنی دلیل ہے اور پھر ان کا استدلال نص قطعی سے ہے کما مرّ اور حضرات صوفیاء کرامؒ کی ایسی باتیں خود قابلِ تاویل ہوں گی مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہو سکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کر دیا جائے گا نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم و حدیث شریف اور حضرات ائمہ قضاء اور خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات اور فقہ حنفی کی

---

[5] حُبِّ درویشاں کلید جنت است   دشمن ایشاں سزائے لعنت است

مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جا سکتی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذکر بالجہر کے بارے میں شیخ احمد سرہندی
حضرت مجدد الف ثانی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کی چند عبارتیں بھی نقل کر دیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے
اور ذکر بالجہر کرنے والے حضرات صوفیائے کرامؒ کے استدلال کا معیار بھی معلوم ہو جائے۔

(۱) و در میان طرق صوفیہ اختیار کردن
طریقۂ علیہ نقشبندیہ اولیٰ و انسب است
چہ ایں بزرگواراں التزام متابعت سنت
نمودہ اند و اجتناب از بدعت فرمودہ لہٰذا
اگر دولت متابعت دارند و از احوال ہیچ
ندارند خرسندند و اگر با وجود احوال در متابعت
فتور دانند آں احوال را نمے پسندند ازیں جا
است کہ سماع و رقص را تجویز نہ کردہ اند و
احوالے کہ بر آں مترتب شود اعتبار نمودہ بلکہ
ذکر جہر را بدعت دانستہ منع آں فرمودہ اند
و ثمراتیکہ بر آں مترتب شود التفات باں
ننمودہ روزے بہ مجلس طعام در ملازمت
حضرت ایشاں حاضر بودیم شیخ کمال کہ یکے
از مخلصان حضرت خواجۂ ما بود در وقت افتتاح
طعام در حضور ایشاں اسم اللہ را بلند گفت
ایشاں را ناخوش آمد بحدے کہ زجر بلیغ فرمودند
و فرمودند کہ او را منع کنند کہ در مجلس طعام ما حضر
نہ شود و از حضرت ایشاں شنیدہ ام کہ حضرت
خواجہ نقشبندؒ علماء بخارا را جمع کردہ بخانقاہ
حضرت میر کلالؒ بردہ بودند تا ایشاں را از

حضرات صوفیاء کرامؒ کے طریقوں میں سے اونچے
طریقۂ نقشبندیہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور
مناسب تر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت
کی متابعت کا التزام کیا ہے اور بدعت سے اجتناب
کیا ہے اسی لئے اگر اتباع سنت کی دولت
رکھتے ہوں اور احوال حضرات صوفیہؒ سے کچھ
بھی نہ رکھتے ہوں تو وہ خوش ہیں اور اگر
احوال کے باوجود اتباع سنت میں فتور دیکھتے
ہیں تو ان احوال کو وہ پسند نہیں کرتے یہی وجہ
ہے کہ انہوں نے سماع اور رقص کو تجویز نہیں
کیا اور جو احوال سماع و رقص پر مرتب ہوتے
ہیں ان کو وہ معتبر نہیں سمجھتے بلکہ ذکر بالجہر کو
بدعت سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں اور
ان ثمرات کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے جو اس
پر مرتب ہوتے ہیں ایک دن ہم حضرت خواجہ
باقی باللہ صاحبؒ کے دولت کدہ میں دعوت
طعام پر حاضر تھے آپ کے مخلص مریدوں
میں سے ایک شخص شیخ کمالؒ نے کھانا شروع
ہونے کے وقت آپ کے سامنے بسم اللہ بلند
آواز سے کہہ دی۔ آپ کو یہ ناگوار گزرا حتیٰ کہ اس

ذکر جہر منع فرمایند علماء بحضرت امیر گفتند کہ ذکر جہر بدعت است نہ کنند ایشان در جواب فرمودند کہ نہ کنیم اکابر ایں طریق ہر گاہ منع ذکر جہر ایں ہمہ مبالغہ نمایند از سماع و رقص و وجد و تواجد چہ گوید احوال و مواجید کہ بر اسباب نامشروعہ مترتب شوند نزد ایں فقیر از قبیل استدراجات است الخ (مکتوب ۲۶۶ حصہ چہارم دفتر اول ص ۱۶۷ و ص ۱۶۸ طبع نور کمپنی انار کلی لاہور)

کو سخت جہر کا اور فرمایا کہ اسے منع کر دیں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہو اور آپ سے میں نے سنا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ کے دربار میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر بالجہر سے روکیں علماء نے حضرت امیر کلالؒ سے کہا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے نہ کریں انہوں نے جواب میں فرمایا (بہت اچھا) ہم نہیں کرینگے جب اس طریقہ کے اکابر ذکر بالجہر سے منع کرنے میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں تو سماع اور رقص وجد اور تواجد کا کیا ذکر؟ حال و وجد جو ناجائز اسباب پر مرتب ہوں وہ اس فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہے۔

ملاحظہ کریں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جنکی شخصیت علم و عمل اور تقویٰ و ورع میں کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کن زور دار الفاظ میں ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کس پیارے انداز سے عمل بالسنّت کی تلقین و ترغیب فرماتے ہیں۔

(۲) واکابر ایں طریقہ علیہ احوال و مواجید را تابع احکام شرعیہ ساختہ اند و اذواق و معارف را خادم علوم دینیہ داشتہ جواہر نفیس شرعیہ را در رنگ طفلاں بجوز و مویز و وجد و حال عوض نہ میکنند و بہ ترّہات صوفیہ مغرور و مفتون نہ میگردند احوال کہ بارتکاب محظورات شرعیہ و خلاف سنت سنیہ حاصل شود قبول نہ دارند و نخواہند از ہیں جا است کہ سماع و رقص را تجویز نمے نمایند و بذکر جہر

اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے حال و وجد کے طریقوں کو احکام شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے جواہرات نفیسہ کو بچوں کی طرح حال و وجد کے اخروٹ اور منقّٰی کے عوض ضائع نہیں کرتے اور حضرات صوفیاءؒ کے سکریہ کلمات کے گرویدہ نہیں ہوتے اور ان احوال کو جو شرعی ممنوعات پر عمل کرنے سے حاصل ہیں اور بدعت

اقبال نہ میفزاید حال ایشاں بردوام است الخ

(مکتوب ۲۲۱ دفتر اول حصہ چہارم ص۵)

متر سنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو قبول نہیں کرتے اور نہ ان کو چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سماع اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا حال ہمیشہ ایک طرز پر رہتا ہے۔

اس عبارت میں بھی حضرت مجدد الف ثانی نے اُن حضرات صوفیاء کرامؒ کی بے حد تعریف کی ہے جو سُنت اور علوم شرعیہ کو اپنی وجدانی کیفیات اور اذواق پر مقدم سمجھتے ہیں اور سُنت کے خلاف کسی بات کو قبول نہیں کرتے اور رقص و سماع کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف سرے سے توجہ اور التفات ہی نہیں کرتے۔

(۳) و پرسیدہ بود کہ منع از ذکر جہر میکنند کہ بدعت است و حال آنکہ ذوق و شوق مے بخشد چرا از چیز ہائے دیگر کہ در زمان آں سرور نبودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام منع نہ می نمایند مثل لباس فرجی و شال و سراویل۔

اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں جو بدعت ہے حالانکہ ذکر بالجہر ذوق و شوق بخشتا ہے اور یہ حضرات دوسری چیزوں سے جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں کیوں منع نہیں کرتے جیسے کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ۔

اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وایضاً پرسیدہ بودند کہ منع از ذکر جہر میکنند کہ بدعت است با آنکہ ذوق و شوق می بخشد چرا از چیز ہائے دیگر کہ در زمان آں سرور نبودہ علیہ علیٰ آلہ الصلوٰت و التسلیمات و منع نہ میکنند مثل لباس فرجی و شال و سراویل مخدوما عمل آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات بر دو نوع است بر سبیل عبادت

اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے باوجودیکہ یہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ اے میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے

است یا بر طریق عرف و عادت عملے کہ بر سبیل عبادت بودہ خلاف آنرا از بدعتہائے منکر میدانیم و در منع آں مبالغہ مینمائیم کہ احداث در دین است و آں مردود است و عملے کہ بنا بر عرف و عادت است خلاف آں را بدعت و منکر نمیدانیم و در منع آں مبالغہ نمی نمائیم کہ بہ دین تعلق ندارد و وجود و عدم آں مبنی بر عرف و عادت است نہ بر دین چہ عرف بعضے بلاد خلاف عرف بعضے از بلاد دیگر است و ہمچنیں در یک بلدہ باعتبار تفاوت ازمنہ تفاوت عرف واقع است مع ذٰلک رعایت سنت عادی نیز مثمر نتائج است و منتج سعادات اھ (مکتوب ۲۳۱ دفتر اول حصہ چہارم ص۲۴ و ص۲۵)

ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور ہم اس کے روکنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ یہ دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور آپ کا وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر تھا اس کی مخالفت کو ہم بدعت نہیں سمجھتے اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتے کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین پر اور ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف و رسم بعض دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے اور اسی طرح ایک ہی شہر میں زمانوں کے بدلنے سے عرف بھی متفاوت ہو جاتا ہے اس بات کے باوجود بھی اگر اس سنتِ عادی کی پابندی کی جائے تو یہ بھی سعادتوں اور عمدہ نتیجوں کا پھل لانے والی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس عبارت میں سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا اصولی فرق بھی آشکارا کیا ہے اور احداث فی الدین اور بدعت کی قباحت بھی خوب نمایاں کی ہے اور ذکر بالجہر سے منع کرنے کی شرعی وجہ بھی ظاہر فرما دی ہے۔

(۴) پس در ہر طریقے کہ مخالفت نفس پیشتر است اقرب طرق است و شک

پس ہر وہ طریقہ کہ نفس کی مخالفت اس میں زیادہ ہو وہ اللہ تعالےٰ تک پہنچاتے ہیں اور وہ سب

نیست کہ رعایت مخالفت نفس از سائر طرق در طریقۂ علیہ نقشبندیہ بیشتر چہ ایں بزرگواراں عمل بہ عزیمت اختیار کردہ اند واز رخصت اجتناب نمودہ و معلوم است کہ در عزیمت ہر دو جزو اجتناب محرم و فضول مرعی است بخلاف در رخصت کہ اجتناب از محرم است و پس اگر گفتہ شود کہ تواند بود کہ سائر طرق نیز عزیمت اختیار کردہ باشند گوئیم کہ در اکثر طرق سماع و رقص است کہ بعد از تحمل بسیار کار بر رخصت میرسد عزیمت را دراں چہ مجال ہمچنیں ذکر جہر کہ بیش از رخصت دراں متصور نیست و ایضاً مشائخ سلاسل دیگر در طرق خود بواسطۂ بعضے نیات حقانیہ امور محدثہ پیدا کردہ اند کہ نہایت تصحیح دراں حکم بر رخصت است بخلاف اکابر ایں سلسلۂ علیہ کو سرموئے مخالفت سنت تجویز نہ کردہ اند و ابداع و احداث روا نداشتہ پس مخالفت نفس دریں طریق اتم باشد پس اقرب طرق باشد پس طالب را اختیار ایں طرق اولیٰ و انسب باشد چہ راہ بغایت اقرب است و مطلب در کمال رفعت و جماعۂ از متاخرین خلفائے ایشاں ترک اوضاع ایں بزرگواراں گرفتہ بعضے امور دریں

راستوں سے قریب تر ہے اور شک نہیں کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں باقی سب طریقوں سے نفس کی مخالفت زیادہ ہے کیونکہ ان بزرگوں نے عزیمت پر عمل کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے اور رخصت سے اجتناب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ عزیمت میں حرام اور فالتو کاموں سے پرہیز کے دونوں اجزا کی رعایت رکھی گئی ہے بخلاف رخصت کے کہ اس میں صرف حرام ہی سے پرہیز کا لحاظ ہے اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ باقی سب طریقوں میں بھی عزیمت ہی اختیار کی گئی ہو تو میں کہوں گا کہ باقی اکثر طریقوں میں سماع اور رقص بے شمار حیلوں سے رخصت تک پہنچتا ہے عزیمت کا وہاں کیا ٹھکانہ اور اسی طرح ذکر بالجہر کا حال ہے کہ رخصت سے زیادہ اس میں کسی چیز کا خیال نہیں کیا جا سکتا اور نیز دوسرے سلسلوں کے مشائخؒ نے اپنے طریقوں میں اپنی کچھ نیک نیتی کے باعث نئے کام پیدا کر لئے ہیں نہایت تصحیح کے ساتھ ان میں حکم صرف رخصت تک ہی لگایا جا سکتا ہے بخلاف اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کے کہ انہوں نے ایک بال برابر بھی سنت کی مخالفت کو تجویز نہیں کیا اور بدعات کے گھڑنے اور ان پر عمل کرنے کو روا نہیں رکھا تو اسی سلسلہ

طریق احداث نمودہ اند سماع و رقص و جہر
اختیار کردہ منشاء آں عدم وصول است
بحقیقتِ نیات اکابر ایں خانوادہ بزرگ
خیال کردہ اند کہ بایں محدثات و مبدعات
تکمیل و تتمیم ایں طریقہ مے نمایند ندانستہ
اند کہ در تخریب و اضاعت آں می کوشند
واللہ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔
(مکتوب ۲۸۶ دفتر اول حصہ چہارم صفحہ ۵۷ و ۵۸)

ہیں نفس کی مخالفت پورے طریقہ پر پائی جاتی
ہے پس یہ طریقہ باقی سب طریقوں سے قریب تر
ہے سو طالب کے لئے اس طریقہ کا اختیار کرنا زیادہ
اولےٰ اور مناسب ہے کیونکہ یہ راستہ نہایت قریب
ہے اور مقصد نہایت بلند ہے ان بزرگوں کے
طور و طریقہ کو چھوڑ کر بعض کام اس طریقہ میں
گھڑ لئے گئے ہیں اور سماع و رقص اور ذکر بالجہر اختیار
کر لیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بزرگ
خاندان کی نیتوں کی حقیقت کو ہی نہیں پہنچے
اور اس گھرانے کے ان خلفائے نے یہ خیال کر لیا
ہے کہ وہ ان بدعات اور محدثات کے ذریعہ
اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں اور وہ یہ
نہیں جانتے کہ وہ اس طریقہ کے بگاڑنے
اور ضائع کرنے میں پوری کوشش کر رہے ہیں
اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہی (صحیح) راستہ
کی ہدایت کرتا ہے۔

ان تمام صریح عبارات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے زوردار الفاظ میں ذکر جہر سے منع کیا بلکہ اس کو بدعت کہا ہے اور کیوں بدعت نہ فرماتے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کو بدعت فرمایا ہے اور ان کا فتویٰ قرآن و حدیث اور سنت کے عین موافق ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ہی ایک مقام میں تحریر فرماتے ہیں کہ

و نیز معلوم شد کمالات ولایت را موافقت
بفقہ شافعی است و کمالات نبوت را مناسبت
بفقہ حنفی اگر فرضاً دریں امت پیغمبرے

اور نیز معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات کو فقہ
شافعی سے موافقت ہے اور نبوت کے کمالات
کو فقہ حنفی سے مطابقت ہے اگر بالفرض اس

مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل مے کرد۔ ودریں وقت حقیقت سخن حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ معلوم شد کہ در فصول ستہ نقل کردہ اند کہ حضرت عیسٰی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بہ مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمل خواہد کرد الخ (مکتوب ۲۸۲ دفتر اول حصہ پنجم صنہ)

امت میں کوئی نبی مبعوث ہو تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کریگا اور اس موقع پر حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کی اس بات کی حقیقت معلوم ہوئی جو انہوں نے اپنی کتاب فصول ستہ میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہونے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔

یعنی چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کمالات نبوت میں سے ہے اور عین سنت کے مطابق ہے اس لئے جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی غیر منصوص احکام میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کی بدولت جو احکام سنت سے مستنبط کئے تھے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی براہِ راست سنت سے استنباط کریں گے۔ گویا دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں توارد ہوگا فرق یہ ہوگا کہ ایک اجتہاد معصوم کا ہوگا اور ایک غیر معصوم کا مگر دونوں کی کڑی سنت سے جا ملے گی۔ بقول شخصے ع

آخر کو ہم دونوں درِ جاناں پہ جا ملے

حضرت مجدد صاحبؒ نے بدعت کی نہایت سختی سے تردید فرمائی ہے چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ وسیئہ حسنہ آن عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آن سرور و خلفار راشدین علیہ وعلیہم من الصلوٰۃ اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد و رفع سنت ننماید و سیئہ آنکہ رافع سنت باشد این فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جز بظلمت و کدورت احساس نمی

کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک حسنہ دوسری سیئہ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور حضرات خلفار راشدینؓ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور سنت کو ضائع نہ کرے اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ جو سنت کو ضائع کردے مگر یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کر رہا اور

نماید اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطہ ضعف بصارت بطراوت و فضارت بینند فرداکہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت و ندامت نتیجہ نداشت ۔ بیت

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

(مکتوب ۱۸۶ دفتر اول حصہ سوم ص ۸۳ و ۸۴)

ان میں بغیر تاریکی اور کدورت کے کچھ بھی محسوس نہیں کرتا اگر بالفرض کوئی بدعتی اپنے ضعف بصارت کی وجہ سے اپنے عمل میں تر و تازگی دیکھتا ہے تو کل قیامت کو جب آنکھیں کھلیں گی تو معلوم ہوگا کہ بغیر نقصان اور شرمندگی کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ۔ شعر

صبح کے وقت تجھے روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ شب تاریک میں تو نے عشق کس سے جوڑا ہے ۔

تقابل فقہاء کرامؒ و صوفیاء عظامؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ ان دونوں طبقوں کے بارے میں واشگاف الفاظ میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ۔

و عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشان را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و مر ایشان را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم ایں جا قول امام ابی حنیفہؒ و امام ابی یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلیؒ و ابی حسن نوریؒ صوفیانِ خام ایں وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ سرود و رقص را دین و ملت خود گرفتہ اند و طاعت و عبادت ساختہ اولٰئِکَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّ لَعِبًا و از روایت سابق معلوم شدہ است کسے کہ فعل حرام را مستحسن

حضرات صوفیاء کا عمل حلال و حرام ہونے میں سند نہیں ہے کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کر دیں اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ اور حضرت ابو الحسن نوریؒ کا عمل اس وقت کے کچے صوفی اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود کو اپنا دین و ملت بنائے بیٹھے ہیں اور اس طریقہ کو انہوں نے اطاعت و عبادت بنا رکھا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا لیا

وانداز مرہ اہل اسلام مے برآید و مرتد میگردد پس خیال باید کرد کہ تعلیم مجلس سماع و رقص نمودن بلکہ آنرا اطاعت و عبادت دانستن چہ شناعت دارد۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول حصہ چہارم ص۸۲)

ہے اور پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص حرام فعل کو اچھا سمجھے وہ اہل اسلام کے زمرہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، پس خیال کرنا چاہیئے کہ سماع اور رقص کی مجلس کی تعلیم دینا اور اس کو عبادت سمجھنا کس قدر برائی کا حامل ہے۔

اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

زنہار بہ ترہات صوفیہ مفتون نہ گردی و غیر حق را حق سلطانہ حق ندانی ایں جماعت بواسطہ غلبہ سکر اگر معذور باندو و در رنگ مجتہد مخطی از مؤاخذہ مرفوع اما با مقلدان ایشان تاچہ معاملہ کنند کاش در رنگ مقلدان مخطی باشند و اگر چنیں نہ کنند کار مشکل است قیاس و اجتہاد اصلی است از اصول شرعیہ کہ ما بتقلید آں ماموریم بخلاف کشف و الہام کہ ما را بہ تقلید باں امر نفرمودند الہام بر غیر حجت نیست و اجتہاد بر مقلد حجت است پس تقلید علماء مجتہدین باید کرد و اصول دین را موافق آرائے ایشاں باید جست و صوفیہ آنچہ بگویند و بکنند مخالف آرائے علماء مجتہدین آں را تقلید نباید کرد و بحسن ظن از طعن ایشاں لب باید بست و از شطحیات ایشاں باید شمرد و از ظاہر مصرف باید ساخت الخ (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول حصہ پنجم ص۱۳)

خبردار حضرات صوفیاء کی باتوں پر مفتون نہ ہونا اور غیر حق کو حق تعالیٰ نہ سمجھنا یہ جماعت بواسطہ غلبہ سکر کے اگر معذور ہیں اور بصورت مجتہد ہونے کے خطا وار تو مؤاخذہ کی گرفت سے بچ گئے بہرحال ان کے مقلدین سے کیا معاملہ کریں گے کاش بصورت مقلدین مجتہدین یہ بھی مخطی ہوں (تو مؤاخذہ سے بچ گئے) اور اگر ایسا نہ کریں تو معاملہ مشکل ہے قیاس اور اجتہاد اصول شرعیہ میں سے ایک اصل ہے ہم اس کی تقلید کے مامور ہیں بخلاف کشف اور الہام کے کہ ہمیں اس کی تقلید کا حکم نہیں فرمایا گیا الہام غیر پر حجت نہیں ہے اور اجتہاد مقلد پر حجت ہے پس تقلید تو علماء مجتہدین کی کرنی چاہیئے اور اصولِ دین کو ان اکابر کی آراء کے مطابق ڈھونڈھنا چاہیئے اور حضرات علماء مجتہدینؒ کی آراء کے خلاف حضرات صوفیاءؒ جو کچھ کہتے

اور کرتے ہیں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیے اور حسن
ظن کرتے ہوئے اپنی زبان کو ان پر طعن کرنے سے
روکنا چاہیئے اور ان کی شطحیات (یعنی حضرات صوفیاء
کرامؒ کی ایسی باتیں جو غلبہ سکر میں ان سے سرزد
ہوتی ہیں) سے بچنا چاہیئے اور ظاہر سے اس کو
پھیرنا چاہیئے۔

لہٰذا ہم تو بحمد اللہ تعالےٰ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس بہترین اور سنہری مشورے اور نصیحت پر عمل کو اپنی منجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور حضرات صوفیاء کرامؒ پر طعن سے بچتے ہوئے عدم ذکر بالجہر میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور ارشاد کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں یار لوگ اپنے لئے جس رائے کو بہتر سمجھتے ہیں اختیار کریں ع

وللناس فیما یعشقون مذاهب

دوسری بات

ہو سکتا ہے کہ حضرات چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم نے ذکر جہر ابتدائی مراحل اور مبادی تعلیم میں صرف سلوک کی منزلیں طے کرنے والے مبتدیوں کے لئے جائز رکھا ہو تاکہ اس طریقہ سے وساوس شیطانیہ سے ان کو نجات مل سکے اور غفلت نفسانی دور ہو اور ان کے دلوں میں ریاضت کی حرارت اور جذبہ سلوک پیدا ہو اور بعد کے حضرات نے ہو سکتا ہے کہ افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بعض ایسے ہی خلفاء کی شکایت کی ہے کما مرّ) لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور پہلے گذر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت نے ذکر جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام تعلیم بھی ہے اور فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جہر بدعت ہے اور آجکل ذکر جہر کرنے والے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اگر ہماری اس تاویل اور توجیہ پر کسی کو یقین نہیں آتا تو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ سے سن لیں وہ فرماتے ہیں کہ۔

ولعل الصوفیة الچشتیّة قدس اللہ اسرارہم
شاید حضرات صوفیاء چشتیہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم نے مبتدی کے لیے جہر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ

اختار والجهر للمبتدی لاقتضاء حکمة وھی طرد الشیطان ودفع الغفلة والنسیان وحرارة القلب واشتعال نائرة الحب بالریاضة ومع ذالك یشترط لذلك الاحتراز عن الریاء والسمعة الخ (تفسیر مظہری ج ۳ ص۴۰۹)

تقاضائے حکمت ہی یہی ہے اور یہ حکمت شیطان کو بھگانا اور غفلت و نسیان کو ہٹانا اور ریاضت کی وجہ سے دل کی گرمی کو اور آتشِ محبت کے شعلوں کو تیز کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ ریا اور شہرت سے احتراز کیا جائے۔

اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالےٰ نے ذکر بالجہر کی اجازت رسیدہ بزرگوں کو نہیں دی بلکہ مبتدیوں کو دی ہے اور سبھی مانتے ہیں کہ مبتدیوں کے لئے یہ اجازت بجز تعلیم کے اور کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ حضرت خواجہ نصیر الدین صاحب چراغ دہلویؒ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالےٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک خفی دوسری جلی لیکن سالک کو پہلے جلی شروع کرنا چاہیئے پھر خفی ذکر جلی زبان سے تعلق رکھتا ہے زبان سے ذکر جلی کی کثرت کرنی چاہیئے تاکہ اس کثرت سے خفی حاصل ہو اھ (مفتاح العاشقین اردو ترجمہ ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ ص۸ طبع لاہور) اس سے معلوم ہوا کہ سالک کی تعلیم کی منزل یہیں سے شروع ہوتی ہے، ہر طبقہ اور ہر سلسلہ میں آگے چل کر کچھ لوگوں نے غلو سے کام لیا مگر یہ ان کا اپنا فعل ہے اکابر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اس سے بہتر با حوالہ کوئی اور توجیہ کوئی صاحب ہمّت پیش کر دیں تو ہمیں اس کے ماننے میں بھی انشاء اللہ تعالےٰ کوئی تامل نہ ہوگا لیکن قرآن کریم و حدیث شریف اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا دامن چھوڑ کر ہم کہاں جائیں؟ اور کہاں جا سکتے ہیں؟ اور کیسے جا سکتے ہیں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

تیسری بات

جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آتی ہے (گو ان میں اکثریت حضرات شوافعؒ اور حضرات صوفیاءؒ کی ہے مگر) انہوں نے بھی ذکر جہر کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ساتھ متعدد قیود اور شرائط لگائی ہیں اور سعیدی صاحب اور ان کی جماعت ان شرائط میں بیشتر کو نظر انداز

کر دیتی ہے ان اکابر کی عبارات میں سے مفید مطلب جملہ ذکر بالجہر کی اجازت کا تو وہ لے لیتے مگر دیگر شرائط اور قیود سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں حالانکہ وہ ان کی عبارتوں میں صاف طور پر موجود ہوتی ہیں سابق مفصل اور باحوالہ بحث کے بعد مثالوں کی ضرورت نہیں مگر ہم ایک دو عرض کئے دیتے ہیں۔

(۱) امام ابن حجر مکی الشافعیؒ حضرات صوفیاء کرامؒ کے اذکار و اوراد کے اثبات پر پہلے چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں:-

واذا ثبت ان لما يعتاده الصوفية من اجتماعهم على الاذكار والاوراد بعد الصبح وغيره اصلاً صحيحا من السنة وهو ما ذكرنا فلا اعتراض عليهم في ذلك ثم ان كان هناك من يتأذى بجهرهم كمصل او نائم ندب لهم الاسرار والا رجعوا الى ما يأمرهم به استاذهم الجامع بين الشريعة والحقيقة لما مر انه كالطبيب فلا يأمر الا بما يرى فيه شفاءً لعلة المريض ولذلك تجد بعضهم يختار الجهر لدفع الوساوس الردية والكيفيات النفسانية وايقاظ القلوب الغافلة واظهار الاعمال الكاملة وبعضهم يختار الاسرار لمجاهدة النفس وتعليمها طرق الاخلاق و ايثار الخمول۔

(فتاوی حدیثیہ ص۶۵ طبع مصر)

اور جب یہ ثابت ہوا کہ حضرات صوفیاءؒ جس بات کے معتاد ہیں یعنی ان کا اذکار و اوراد پر صبح وغیرہ کے بعد جمع ہونا اس کی سنت سے صحیح اصل موجود ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے سو اس سلسلہ میں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے پھر اگر اس مقام پر ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے اذیت ہوتی ہے مثلاً نمازی یا سونے والا تو پھر ان کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ آہستہ ذکر کریں ورنہ اس حکم کی طرف رجوع کریں جو ان کو ان کا شریعت اور حقیقت کا جامع استاد دیتا ہے کیونکہ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ وہ حکیم کی مانند ہے سو وہ اسی چیز کا حکم دے گا جس میں وہ یہ دیکھے گا کہ اس میں بیمار کی علت کی شفاء ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ ان میں سے بعض ردی قسم کے وساوس اور کیفیات نفسانیہ کے دفع کرنے اور غافل دلوں کو بیدار کرنے اور کامل اعمال کے اظہار کے لئے جہر کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کو

اخلاق کے طریقوں کی تعلیم اور گمنامی کی زندگی
کو ترجیح دینے کے لئے آہستہ ذکر اختیار کرتے ہیں۔

اس عبارت میں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں نمازیوں اور سونے والوں کی نیند اور آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہ دو چیزیں صرف بطور مثال کے بیان کی گئی ہیں جہاں بھی کسی کو ذکر بالجہر سے اذیت پہنچے اس کا یہی حکم ہے۔

(۲) علامہ خیر الدین رملی الحنفیؒ کا حوالہ ص۱۷۵ میں گذر چکا ہے جس میں ذکر بالجہر کی بعض شرائط اور قیود کا تذکرہ موجود ہے۔

(۳) علامہ شامیؒ (۴) علامہ سید احمد طحطاویؒ اور (۵) حضرت تھانویؒ کے مفصل حوالے پہلے گذر چکے ہیں جن میں ذکر بالجہر میں لوگوں کی عدم اذیت کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل ذکر بالجہر کرنے والے حضرات نے اس کی دیگر قیود و شرائط کو نظر انداز کرنے کے علاوہ ایذاء المسلمین کو بھی اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور حیرت یہ ہے کہ اس پر ثواب کے طالب اور امیدوار ہیں حالانکہ ایذاء المسلمین حرام ہے ہم صرف اس مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے ایک حدیث اور دو فقہی حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

صعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع وقال یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یدخل الایمان فی قلبہ لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروھم ولا تطلبوا عثراتھم فانہ من یطلب عورۃ المسلم یطلب اللہ عورتہ ومن یطلب اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف بیتہ ونظر ابن عمرؓ یوما الی البیت فقال ما اعظمک و

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے لوگو جو زبان سے تو اسلام کا اظہار کرتے ہو، لیکن دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تم مسلمانوں کو اذیت مت دو اور نہ ان کو عار دلاؤ اور نہ ان کی کوتاہیاں تلاش کرو اس لئے کہ جو شخص مسلمان کی کوتاہی تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہی طلب کریگا اور جس کی کوتاہی کو اللہ تعالیٰ تلاش کرے اس کو وہ اس کے گھر کے اندر ہی رسوا کر دے گا اور

اعظم حرمتك والمؤمن اعظم عند الله حرمة منك۔
(مراردالظمآن ص۳۵۹ طبع مصر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دن بیت اللہ کی طرف دیکھا پس فرمایا کہ تو کیا ہی عظمت والا ہے اور تیری کیسی بڑی عظمت ہے مگر مومن کی عظمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی بڑی ہے۔

اس روایت سے متعدد مسائل اور فوائد حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ منبر پر وعظ و نصیحت کے موقع پر آواز بلند کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور تیسری یہ کہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ مؤمن کی عزت کعبۃ اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

۲ حج اور عمرہ میں حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے لیکن اگر اس کو بوسہ دینے کی وجہ سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچتی ہو تو پھر اس کا ترک واجب ہے چنانچہ امام سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولان استلام الحجر سنة والتحرز عن اذى المسلم واجب فلا ينبغي له ان يؤذى مسلما لاقامة السنة۔
(مبسوط ج۴ ص۹ طبع مصر)

اور اس لئے بھی کہ حجر اسود کا چومنا سنت ہے اور مسلم کی اذیت سے بچنا واجب ہے سو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ سنت قائم کرنے کے لئے کسی مسلمان کو اذیت دے۔

اور صاحب ہدایہ نقلی دلیل ذکر کرنے کے بعد عقلی دلیل یہ لکھتے ہیں:۔

ولان الاستلام سنة والتحرز عن اذى المسلم واجب انتهى (هدايه ج۱ ص۲۲۲)

اور اس لئے بھی کہ حجر اسود کا چومنا سنت ہے اور مسلمان کو اذیت پہنچانے سے بچنا واجب ہے۔

مطلب واضح ہے کہ سنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک نہیں کیا جائیگا اور ذکر بالجہر تو بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ زیادہ سے زیادہ رخصت ثابت کیا جاسکتا ہے اور بعض دیگر حضرات کی تحقیق سے مباح یا مستحب یا صرف جائز ثابت ہوتا ہے اندریں حالات ایک رخصت یا مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب اور جائز کو ادا کرنے کے لئے واجب کو نظر انداز کر دینا کبھی

طور پر کس طرح درست ہوگا؟ مگر افسوس ہے کہ شور وغل مچانے والے دین اور فقہ کی ان باریکیوں کو کیا جانیں؟ ان کو تو صرف اپنے گروہ کی برتری اور شور وغل کے ذریعہ اپنی بقاؔ اور شہرت و نمود کی ضرورت ہے۔

طواف کے وقت ذکر اور قرأۃ قرآن اور دعا آہستہ ہونی چاہیئے۔

علامہ الشیخ رحمۃ اللہ السندی الحنفیؒ (المتوفی سنہ) نے مناسک حج کے سلسلہ میں ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے جس کا نام لباب المناسک ہے اس کی شرح حضرت ملّا علی ن القاری الحنفیؒ نے لکھی ہے جس کا نام المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ہے ان کتابوں کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

(۱) طواف کعبہ کے وقت مستحبات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

والاسرار بالکسر ای الاخفاء بالذکر والادعیۃ وفیہ بحث لانہ یجب الاخفاء اذا کان الجہر مشوشا للطائفین والمصلین فقد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر ولعلہ اراد بالاسرار المبالغۃ فی الاخفاء تبعیداً عن السمعۃ والریاء (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص۱۱۱ طبع مصر)

اِسرار کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنی اخفاء کے ہیں یعنی آہستہ ذکر اور دعائیں کرنی چاہئیں لیکن اس میں کلام ہے وہ یہ کہ جب جہر سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو تشویش ہوتی ہو تو ذکر اور دعا کا آہستہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ ابن الضیاءؒ نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو اور شاید کہ ان کی مراد آہستہ پڑھنے سے اخفاء میں مبالغہ ہو تاکہ شہرت اور ریاء سے اس فعل کو دور رکھا جائے۔

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ جب ذکر بالجہر سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو ذہنی پریشانی ہوتی ہو (اور لازماً ہوتی ہے) تو آہستہ ذکر کرنا واجب ہے اور واجب کی خلاف ورزی حرام ہے بلکہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو ذکر ہی کیوں نہ ہو

حرام ہے۔

(۲) اور طواف کے وقت مباح کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وقرأة القرآن ای فی نفسه لما قالوا فی غیر موضع یکره ان یرفع صوته بالقرآن عند الطواف ولا بأس بقرأته فی نفسه فهذا هوالاظهر وعن ابی حنیفةؒ لاینبغی للرجل ان یقرأ القرآن رافعا صوته فی الطواف ولا فی نفسه قال وهو الاصح انتهی وهو مختار بعض الشافعیة کالحلیمی والاوزاعی وفی المنتقی وعن ابی حنیفةؒ لاینبغی للرجل ان یقرأ فی طوافه ولا بأس بذکر الله تعالیٰ انتهی وهو قابل ان یحمل علیٰ رفع الصوت واما قوله ولا بأس بذکر الله فموهم ان السکوت هو السنة ولیس کذلك ولا یتصور ان یقید برفع الصوت فی الذکر فانه ممنوع ولعله اراد بانه لابأس بالاذکار المصنوعة المسطورة من غیر الاذکار والادعیة المأثورة۔

(المسلک المتقسط ص۱۱۱ و ص۱۱۲)

اور قرآن کریم کا پڑھنا یعنی اپنے دل میں کیونکہ حضرات فقہاء کرامؒ نے متعدد مقامات میں کہا ہے کہ طواف کے وقت قرآن پڑھتے ہوئے اپنی آواز کو بلند کرنا مکروہ ہے اور اپنے دل میں پڑھنے کا کوئی حرج نہیں اور یہی ظاہر تر بات ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ طواف کرتے وقت آدمی کو مناسب نہیں کہ وہ بلند آواز سے اور اسی طرح آہستہ دل میں قرآن کریم پڑھے فرمایا کہ یہی صحیح بات ہے ان کا کلام ختم ہوا اور بعض شوافع حضرات مثلاً حلیمیؒ اور اوزاعیؒ کا یہی مختار ہے منتقیٰ میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آدمی کو مناسب نہیں کہ طواف کرتے وقت قرآن کریم پڑھے ہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی بات ختم ہوئی اور یہ روایت اس قابل ہے کہ اس کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنے پر حمل کیا جائے باقی رہا ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس سے یہ وہم پڑتا ہے کہ خاموش رہنا ہی سنت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے مقید کر دیا جائے

کیونکہ بلند آواز سے ذکر کرنا خود ممنوع ہے اور شاید
کہ ان کی مراد یہ ہو کہ وہ اذکار جو اذکار اور ادعیہ
ماثورہ کے علاوہ بنائے اور لکھے گئے ہیں' ان کے
پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آج کل مناسک حج کی اکثر کتابوں اور رسالوں میں ایسی دعائیں اور اذکار بھی ملتے ہیں جن کا صحیح احادیث و آثار سے کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن چونکہ توحید و سنت کے کسی ضابطہ سے وہ متصادم نہیں ہیں اس لیے ہر مکتب فکر کے علماء کرام ان سے چشم پوشی کرتے ہیں اور پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے۔

(۳) طواف کے وقت جو جو چیزیں مکروہ ہیں' ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ورفع الصوت ولو بالقرآن والذكر والدعاء اى بحيث يشوش على الطائفين والمصلين (المسلك المتقسط ص ۱۱۲)

اور آواز بلند کرنا اگرچہ قرآن اور ذکر اور دعا پڑھتے ہوئے ہو یعنی بایں طور کہ طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو اس جہر سے تکلیف ہوتی ہے (اگر اس قدر جہر ہو کہ خود سنتا ہو تو کوئی حرج نہیں)

اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں قرآن کریم کے آہستہ پڑھنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد موجود ہے' چنانچہ حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ

اعتكف رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد فسمعهم يجهرون بالقراة فكشف الستر وقال الا ان كلكم مناج ربه فلا يوذين بعضكم بعضا ولا يرفع بعضكم على بعض فى القراة او قال فى الصلوة (رواہ ابو داؤد باسناد صحیح' المجموع شرح المهذب ج ۳' ص ۳۹۲ طبع مصر)۔

آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے تھے کہ آپ نے لوگوں کو سنا کہ وہ بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں' آپ نے پردہ ہٹایا اور فرمایا کہ خبردار تم سبھی اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کر رہے ہو پس تم میں ہرگز بعض بعض کو اذیت نہ دیں اور نہ قراءۃ میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند کریں

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لوگوں کا خارج از نماز قرآن پڑھتے یا نماز میں قراءت کرتے وقت اس قدر جہر کرنا کہ دوسروں کو اذیت ہو' ممنوع ہے۔ حدیث شریف اور فقہ کے کچھ حوالے اس سلسلہ میں پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔

درس و تقریر پر اعتراض اور اس کا جواب: مولف ذکر بالجہر ص ۱۷

میں لکھتے ہیں، علاوہ ازیں گزارش ہے کہ آپ لاؤڈ سپیکر پر درس دیتے ہیں، تقریریں کرتے ہیں۔ اس وقت بھی آخر نمازی نماز پڑھتے ہیں۔ کیا اب نماز میں خلل نہیں پڑتا؟ اگر واقعی آپ لوگوں کی نمازوں کے ایسے ہی ہمدرد ہیں تو آپ یا درس اور تقریریں بھی ختم کیجئے یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں جب سجدہ جائز نہ ہو لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ آپ کی روزی کا معاملہ ہے الخ

الجواب: بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے اس کا جواب دیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کی جماعت کے مفتی اعظم احمد یار خان صاحب کا جواب عرض کر دیں۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں، فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے، اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو، یہ منع ہے۔ نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی ہو، لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہٰذا اے نمازیو، اے قرآن یاد کرنے والو، واعظو، تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کے لیے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا اور طواف میں دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہئے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں میں خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔ انتہی (جاء الحق ص ۳۴۱) چونکہ عموماً درس اور تقریریں نماز کے بعد ہوتی ہیں لہٰذا بقول مفتی احمد یار خان صاحب کسی تارک الجماعت کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی نماز کے حیلہ سے وعظ و درس بند کرتا پھرے۔ امید ہے کہ اتنا ہی جواب کافی ہو گا۔ باقی مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ طواف کے وقت شور وغل ہوتا ہے، اس وقت ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا حکم حضرت ملا علی ن القاری حنفیؒ کی مرقات اور المسلک المتقسط وغیرہ کی عبارات میں دیکھ لیں جو عرض کر دی گئی ہیں۔ البتہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کا یہ مطلب بیان کر کے مفتی صاحب نے سخت غلطی کی ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو، لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو الخ۔ اس لیے کہ حضرات فقہاء کرام نے جماعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ انہوں نے مسجد میں مطلقاً ذکر بالجہر کو حرام اور مکروہ قرار دیا ہے جب کہ کوئی نماز میں مصروف ہو یا نیند میں محو ہو، ہاں اگر کسی کی نماز اور نیند وغیرہ میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو تو اس کا معاملہ جدا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ رہا مولف ذکر بالجہر کا یہ طعنہ کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے تو یہ ایک احمقانہ خیال ہے کیونکہ علماء حق کا وہ طبقہ جو لاؤڈ سپیکر کی ایجاد سے پہلے گزر چکا ہے کیا وہ روزی نہیں کھاتا تھا؟ اور کیا آج بھی علماء حق کا

ہر فرد لاؤڈ سپیکر استعمال کرتا ہے اور درس ہی دیتا ہے تب ہی اس کو روزی نصیب ہوتی ہے؟ کیا وہ حضرات جو نہ تو درس دیتے ہیں اور نہ آلہ مکبر الصوت استعمال کرتے ہیں وہ روزی نہیں کھاتے؟ بجائے اس کے کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ صحیح اور ٹھوس دینی خدمت سے تو آپ لوگ ویسے محروم ہیں جس کو ہر عقل مند اور منصف مزاج آدمی تسلیم کرے گا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اور اپنی کارگزاری بتلانے کے لیے روزی کمانے کا یہ ڈھنگ آپ لوگوں نے اختیار کر لیا ہے کہ چلا چلا کر ذکر کرتے اور درود شریف اور فلمی طرز کی نعتیں پڑھتے ہیں تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ مسجد میں کچھ ہو رہا ہے اور گیارھویں اور عرس وغیرہ میں لوگوں کو ترغیب دے دے کر اس کارروائی کو اپنی روزی اور حلوے مانڈے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور طعنہ اہل حق کو دیا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے۔ سچ ہے کہ چھاننی نے لوٹے کو یہ طعنہ دیا کہ تیرے اندر دو سوراخ ہیں اور اپنی خیر سے خبر ہی نہیں کہ اس میں کتنے سوراخ ہیں۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ ۔

میری نگاہ شوق پہ اتنی ہیں سختیاں
اپنی نگاہ شوق کی کچھ بھی خبر نہیں

علاوہ ازیں مولف ذکر بالجہر کا یہ کہنا کہ یا پھر کام مکروہ وقت میں کیا کریں الخ کیا وعظ و تقریر کے لیے بھی شرعاً کوئی وقت مکروہ ہے جس طرح نمازوں کے لیے مثلاً طلوع آفتاب، استواء اور غروب آفتاب وغیرہ کے اوقات مکروہ ہیں؟ پھر سجدہ کے مکروہ ہونے اور درس و وعظ کا آپس میں کیا تعلق اور جوڑ ہے کہ اس کا پیوند اس کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور یوں لب کشائی کی ہے کہ یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں اھ

اصل بات یہ ہے کہ اہل بدعت دین کی صحیح بصیرت سے تو ویسے ہی محروم ہیں۔ اگر کسی میں کوئی معمولی جھلک ہے بھی تو وہ شرک و بدعت کے دبیز پردوں کے نیچے دب گئی ہے اور حلوئی، کھیر اور مرغن غذاؤں کی اس پر ہر طرف سے خوب لپائی ہو چکی ہے، لہذا ان سے صحیح بات کی قبولیت کی سرے سے کوئی توقع ہی نہیں الا من شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لیے عامتہ المسلمین کو خود اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے طفیل سے سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ خاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب
جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ

۴ رجب ۱۳۹۴ھ
۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء